پاکستان نمبر

جمعہ 13 اگست 2004ء

احمدی احباب کی تعلیم و تربیت کے لئے

روزنامہ

الفضل

C.P.L 29 ٹیلی فون نمبر 213029

ایڈیٹر: عبدالسمیع خان

Web:http://www.alfazal.com
Email:editor@alfazal.com

جمعہ 13 اگست 2004ء، 26 جمادی الثانی 1425 ہجری، 13 ظہور 1383 ہش، جلد 54-89، نمبر 181

رسول اللہ ﷺ کا وطن

حضرت عبداللہ بن زیدؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ابراہیم نے مکہ کو حرمت والا شہر قرار دیا تھا اور میں نے مدینہ کو حرمت والا شہر قرار دیا ہے اور میں نے اس کے پیمانوں میں برکت کیلئے اسی طرح دعا کی ہے جس طرح ابراہیم نے مکہ کیلئے کی تھی۔

(صحیح بخاری کتاب البیوع باب برکۃ صاع النبی حدیث نمبر 1985)

اہل پاکستان کی بہبود کیلئے حضرت مرزا ناصر احمد امام جماعت احمدیہ کے مفید اور قیمتی مشورے

درست منصوبے بنائیں۔ وقت کا صحیح استعمال کریں۔ غریبوں کی ہمدردی، کم خوری اور دعاؤں کی عادت ڈالیں

منصوبہ بندی کا صحیح طریق

آپ نے 1969ء میں دین کے اقتصادی نظام کے اصول اور فلسفہ پر کئی خطبات ارشاد فرمائے اور اقتصادی خوشحالی کے بارہ میں [illegible] فرمائی۔ آپ نے 26 دسمبر 1969ء کو اقتصادی نظام کی منصوبہ بندی [illegible] فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے [illegible] Statistics یعنی اعداد و شمار [illegible]"

[illegible]

(الفضل 30 جنوری 1967ء)

وقت کا استعمال

[illegible]

(اسلام کے اقتصادی نظام کے اصول 117 تا 124)

غذائی قلت کے وقت رہنمائی

1965ء [illegible]

(خطبہ 17 [illegible] 1965ء)

[illegible] 1967ء [illegible]

(الفضل 29 جنوری 1967ء)

[illegible]

ملکی معیشت اور کم خوری

فرمایا: [illegible]

(الفضل 23 [illegible] 1971ء)

مزید فرمایا:

"آنحضرت ﷺ بھی فرمایا کرتے تھے [illegible]

باقی صفحہ 5 پر

اے پاکستان کی دھرتی!

اے پاکستان کی دھرتی　　تو اونچی شان کی دھرتی!
ہم الفت کے متوالے　　ہر آن ترے رکھوالے
تو پوتر دھرتی ماتا　　ہم تیری گود کے پالے
بن جاتے تھے وہ نغمے　　اٹھتے تھے جو دل سے نالے

اے پاکستان کی دھرتی!
تو اونچی شان کی دھرتی!

تجھ کو تھا خریدا خوں سے　　تیری قسمت سر سے اونچی
سب تجھ میں مرتبے والے　　پر تو ہے سب سے بالا!
تو ہم کو چاند کی مانند　　ہم تیرے گرد ہیں ہالا
آنند ہے جس میں ہر دم　　تو ہے وہ پاک بسیرا!
میں تیرے دل کا باسی　　تیرا میرے دل میں ڈیرا

اے پاکستان کی دھرتی!
تو اونچی شان کی دھرتی!

تو ہم کو سُرگ کی مانند　　تیرا ٹھنڈا ٹھنڈا سایہ
ہم تیری مست سی لہریں　　تو اپنا جیون ساگر
پُر شوق ہماری نظریں　　پر ذوق سا تیرا منظر
ہم سندر دیس کے باسی　　خواہ گورے ہیں یا کالے
سرحدی نہ پنجابی　　سندھی نہ بلوچستانی
یہ اپنی خاص نشانی　　ہم سب ہیں پاکستانی

اے پاکستان کی دھرتی!
تو اونچی شان کی دھرتی!

راتوں کو سیس جھکا کر　　کرتے ہیں رت جگے ہم
دیتے ہیں اسیس سبھی کو　　ہر فرد بشر کے سگے ہم
سب ملک و وطن ہیں پیارے　　تیرا جلوہ سب سے پیارا
ہیں نوع بشر سے رشتے　　ہے ان کا بھی درد ہمارا
ہر زخم کو ہم سہلائیں　　ہر ایک کا درد بٹائیں

یوں پیار کے دیپ جلائیں　　پاک ارض کا نام ہو روشن
پھر مل جل کر ہم گائیں　　پھر مل جل کر ہم گائیں

اے پاکستان کی دھرتی!
تو اونچی شان کی دھرتی!

بھگوان کی ہے یہ کرپا　　ہے تجھ سے پیار کی آشا
گر تجھ کو بیری دشمن　　ہاں ترچھی نظر سے دیکھے
ہم اس کی آنکھ کو پھوڑیں　　نہ اس کو زندہ چھوڑیں
جپتے ہیں نام خدا کا　　ہے باندھتے عہد وفا کا
تو پوری قوم کی نیاّ!　　ہم تیرے کھیون ہارے!
ہم سر کی قسم ہیں دیتے　　ہم تجھ کو رہیں گے کھیتے
آئیں گے اپنی جانب　　خود ساحل اور کنارے

اے پاکستان کی دھرتی!
تو اونچی شان کی دھرتی!

تیرا ذرہ ذرہ روشن　　تیرا جگ مگ جگ مگ آنگن!
میں تیرے حسن کا جویاں　　تو اپنے حسن کا درپن!
کہتی ہیں یہ میری نبضیں　　تو میرے دل کی دھڑکن!
عکس اپنا نظر ہے آتا　　جب کرتا ہوں تیرا درشن
ملہار میں کیوں نہ گاؤں　　جب برسے تیرا ساون
ہر رت ہے تیری سہانی　　ہو جیٹھ اساڑھ یا پھاگن

اے پاکستان کی دھرتی!
تو اونچی شان کی دھرتی!

ہم بے منزل کے راہی　　چلتے ہی چلے جو جائیں
نہ رستے میں گھبرائیں　　نہ دیکھیں دائیں بائیں
نہ رہزن کا ہے کھٹکا　　نہ دشت و ذر سے وحشت
اک دھن ہے تیزروی کی　　کہ ہم سبقت لے جائیں

اے پاکستان کی دھرتی!
تو اونچی شان کی دھرتی!

عبدالسلام اسلام

پبلشر آغا سیف اللہ پرنٹر سلطان احمد ڈوگر مطبع ضیاء الاسلام پریس مقام اشاعت دارالنصر غربی چناب نگر (ربوہ) قیمت 7 روپے

تاریخ پاکستان کا ایک اہم باب

ریڈکلف باؤنڈری کمیشن میں جماعت احمدیہ کی خدمات اور بعض غلط فہمیوں کا ازالہ

قائداعظم نے حضرت چوہدری ظفراللہ خان صاحب سے کہا میں تم سے بہت خوش ہوں، تم نے احسن رنگ میں کام سرانجام دیا

پروفیسر راجا نصراللہ خان صاحب

ریڈکلف باؤنڈری کمیشن تاریخ پاکستان کا ایک اہم باب ہے کہ انگریز اور کانگریس کی پاکستان دشمنی اور باہمی ملی بھگت کی وجہ سے مسلم اکثریت کے صوبہ پنجاب کی تقسیم کا فیصلہ کیا گیا اور اس کے لئے جون 1947ء میں انگریز حکمرانوں کی طرف سے ریڈکلف کمیشن کا اعلان کیا گیا جس کے سامنے مسلم لیگ اور کانگرس دونوں جماعتوں کو اپنا اپنا موقف بیان کرنا تھا۔ یہ ایک نہایت ہی اہم اور نازک مسئلہ اور مرحلہ تھا چنانچہ ریڈکلف کمیشن کے سامنے مسلم لیگ کی طرف سے وکالت کیلئے پورے ہندوستان میں قائداعظم کی نگاہ انتخاب چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب پر پڑی جو ایک لمبے سیاسی کیریئر اور اپنی قابلیت وشخصیت اور ملی خدمات کے شاندار اور بے لوث ریکارڈ کی وجہ سے قائداعظم کے معتمد ٹھہرے۔

آپ نے مسلم لیگ کے کیس کی وکالت ایسی محنت وکاوش اور لیاقت وفراست سے کی کہ اپنے تو اپنے غیر بھی عش عش کر اٹھے اور آپ کے مدمقابل یعنی کانگرس کے سینئر وکیل سیتل واڈ نے برملا اظہار کیا کہ اگر دلائل پر فیصلہ ہونا ہے تو ظفراللہ خان نے یہ کیس جیت لیا ہے۔ چوہدری صاحب کی حیرت انگیز وکالت کے متعلق دو حوالے ملاحظہ فرمایئے۔

ظفراللہ جیت گیا ہے

سابق سفیر ووزیر سعید احمد کرمانی کی چشم دید گواہی:۔

''سر ظفراللہ نے اقوام متحدہ میں تھرڈ ورلڈ کے کاز کو پیش کیا۔ انہوں نے پاکستان اور مسئلہ کشمیر کے کیس کو پیش کیا۔ باؤنڈری کمیشن کا جو اجلاس ہوا اس میں، میں بھی ان وکلاء کے ساتھ شامل تھا۔ جس قابلیت کا انہوں نے مظاہرہ کیا (۔۔۔الامان اوہو اوہو) سیتل واڈ جو کہ کانگریس کا وکیل تھا اس نے آخر میں یہ کہا کہ اگر دلائل کے ذریعے مقدمہ جیتنا ہے تو ظفراللہ جیت گیا ہے۔ اس کے ساتھ Sir Tayson بیٹھے ہوئے تھے وہ ہائیکورٹ کے ریٹائرڈ جج تھے انہوں نے ظفراللہ کی وکالت کی بہت تعریف کی اور کہا کہ اس شخص نے مار دیا ہے (واہ واہ) ظفراللہ خان جب اینٹی قادیانی تحریک کے نتیجے میں کابینہ چھوڑ گئے تو نہرو نے کہا کہ اگر وہ آمادہ ہو تو ہمارے ساتھ آ کر وزارت قبول کر لے تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔ ظفراللہ خان سے جب یہ کہا گیا تو انہوں نے کہا کہ نہیں اور یہ ایک بنیادی بات ہے جس کو لوگ بھول جاتے ہیں کہ قادیانیوں نے (یاد رکھیئے! میں قادیانی نہیں ہوں) بطور ایک فرقہ اور جماعت کے پاکستان کو سپورٹ کیا تھا۔''

(انٹرویو سعید احمد کرمانی سابق سفیر ووزیر، مطبوعہ جنگ میگزین مورخہ 22 جولائی 2001ء ص9، کالم 4)

چوہدری صاحب کی بے غرض خدمات

1953ء کی تحقیقاتی عدالت کے صدر مسٹر جسٹس محمد منیر کیا کہتے ہیں:۔

''احمدیوں کے خلاف معاندانہ اور بے بنیاد الزامات لگائے گئے ہیں کہ باؤنڈری کمیشن کے فیصلے میں گورداسپور اس لئے ہندوستان میں شامل کر دیا گیا کہ احمدیوں نے ایک خاص رویہ اختیار کیا اور چوہدری ظفراللہ خان نے جنہیں قائداعظم نے اس کمیشن کے سامنے مسلم لیگ کا کیس پیش کرنے پر مامور کیا تھا خاص قسم کے دلائل پیش کئے۔ لیکن عدالت ہذا کا صدر جو اس کمیشن کا ممبر تھا اس بہادرانہ جدوجہد پر تشکر وامتنان کا اظہار کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے جو چوہدری ظفراللہ خان نے گورداسپور کے معاملے میں کی تھی۔ یہ حقیقت باؤنڈری کمیشن کے کاغذات میں ظاہر وباہر ہے اور جس شخص کو اس معاملے میں دلچسپی ہو وہ شوق سے اس ریکارڈ کا معائنہ کرسکتا ہے۔ چوہدری ظفراللہ خان نے مسلمانوں کی نہایت بے غرضانہ خدمات انجام دیں۔ ان کے باوجود بعض جماعتوں نے عدالتی تحقیقات میں ان کا ذکر جس انداز میں کیا ہے وہ شرمناک ناشکرے پن کا ثبوت ہے۔''

(رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص209)

ریڈکلف کمیشن ایک ڈھونگ ثابت ہوا

دراصل متحدہ ہندوستان کا آخری وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن جسے کانگرس کی لیڈرشپ نے آزادی کے بعد ہند کا گورنر جنرل بنا دیا، تقسیم ملک کے وقت ہندوستانی وزیراعظم پنڈت نہرو کے ساتھ مل گیا تھا۔ اس نے ہندوستان کو کشمیر تک زمینی راستہ دینے کیلئے ریڈکلف پر دباؤ ڈال کر کمیشن کے فیصلے میں تبدیلی کرائی تھی۔ شروع سے ہی اس سازش کا انکشاف ہونے لگ گیا تھا لیکن جماعت احمدیہ اور حضرت چوہدری ظفراللہ خان کے ساتھ بغض رکھنے والے ایک مخصوص طبقہ نے یہ سراسر بے بنیاد الزام گھڑ لیا کہ چوہدری صاحب نے (خدانخواستہ) عمداً اس کیس کو خراب کیا اور مخالفین نے یہاں تک کہہ دیا کہ یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا کہ احمدیوں کا مرکز قادیان ہندوستان میں رہے۔

اپنے وطن پاکستان میں قیام

الزام تراشنے والوں کی عقل پر حیرت ہوتی ہے۔ پاکستان بننے کے بعد حضرت مصلح موعود، آپ کا خاندان، جماعت کے دفاتر، مرکز قادیان کا عملہ، احمدی آبادی کا غالب حصہ اور ہندوستان کے بے شمار احمدی خاندان تو نئے وطن پاکستان میں آبسے اور حضرت مصلح موعود نے ایک بے آب وگیاہ چٹیل میدان میں نئے مرکز کی بنیاد رکھ کر اسے بفضلہ تعالیٰ آباد وشاداب کر دیا۔ تو پھر قادیان کو ہندوستان میں شامل کرنے کی سازش (خدانخواستہ) کا کیا مطلب بنا؟ اور اس کا کیا فائدہ اٹھایا گیا بلکہ وہاں تو حفاظت کیلئے 313 کے قریب سرفروش درویشان کو متعین کرنا پڑا تھا۔

ریڈکلف ایوارڈ میں بددیانتی

مخالف طبقہ کی طرف سے ایک عرصہ تک الزام تراشی کے بعد وقت گزرنے کے ساتھ آخر اسی گروہ سے ایک سچی گواہی نکل آئی۔ قومی اخبارات کی 25 جولائی 1997ء کی اشاعت میں مولانا عبدالستار نیازی کا یہ بیان شائع ہوا:۔

''جمعیت علماء پاکستان (نیازی) کے صدر سینٹر مولانا عبدالستار نیازی نے کہا ہے کہ مسلم لیگ کو انگریز کی پٹھو قرار دینا مسلم لیگیوں کی غیرت کے لئے کھلا چیلنج ہے۔۔۔ مولانا عبدالستار خان نیازی نے ولی خان کے ان ریمارکس پر سخت تنقید کی کہ مسلم لیگ انگریزی پٹھو تھی اور کہا کہ انگریز تو آخر وقت تک مسلم لیگ اور اس کے مطالبہ پاکستان کی مخالفت کرتا رہا۔ ریڈکلف ایوارڈ میں بددیانتی اور گورداسپور سمیت بعض علاقوں سے پاکستان کی محرومی اس کا واضح ثبوت تھا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے دل ودماغ میں قائداعظم کے خلاف نفرت بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ انہوں نے کہا کہ ''قوم وطن سے بنتی ہے۔'' اسلام کا تصور نہیں۔ اس حوالے سے علامہ اقبال نے مولانا حسین احمد مدنی پر بھی سخت تنقید کی تھی۔''

(بیان مولانا عبدالستار خان نیازی مطبوعہ نوائے وقت 25 جولائی 1997ء ص8,3)

بددیانتی سے متعلق بعض مزید حوالے

انگریز اور ہندو کی مسلم دشمنی کے نتیجہ میں ریڈکلف کمیشن ایوارڈ میں بددیانتی سے متعلق کچھ نئے حوالے دیکھتے ہیں:۔

☆ معروف مصنف وصحافی جناب اے حمید کا کالم ''بارش، سماوار، خوشبو'' نوائے وقت سنڈے میگزین میں لکھنے والے جناب اے حمید نے اپنے کالم مطبوعہ 10 مارچ 2002ء میں لیفٹیننٹ کرنل (ر) محمد اسلم حیات صاحب کا ایک تفصیلی خط شائع کیا ہے۔ اس کا ایک اہم حصہ ملاحظہ فرمایئے:۔

''بٹالہ میں 67 فیصد مسلمان آباد تھے جبکہ ضلع گورداسپور کی آبادی 87 فیصد مسلمانوں پر مشتمل تھی۔۔۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن پنڈت نہرو کا دوست تھا۔ اس کی بیوی بھی نہرو کی دوست تھی اور نہرو کی بیٹی ماؤنٹ بیٹن کی بیوی کی دوست تھی۔ ان کی ملی بھگت سے باؤنڈری کمیشن کے سربراہ ریڈکلف نے ماؤنٹ بیٹن کے کہنے پر پورا ضلع گورداسپور اور بٹالہ شہر سوائے تحصیل شکرگڑھ کے جو راوی دریا کے شمال میں تھا ناجائز طور پر انڈیا کو دے دیا۔ یہ سب کچھ انگریز کی ہندو دوستی اور مسلم دشمنی کی وجہ سے ہوا جس کا خمیازہ مسلمانوں کو بھگتنا پڑا۔''

(نوائے وقت سنڈے میگزین ص14 کالم 4،2)

☆ سابق ٹیسٹ کرکٹر اور ''اوول'' کے ہیرو فضل محمود کا جرأتمندانہ واقعہ:۔

پاکستان کے ایک معروف سابق کرکٹر اور ٹیم کے کپتان جنہیں اس وقت ''اوول کے ہیرو'' کا خطاب دیا گیا۔ جب انہوں نے اپنی کرکٹ ٹیم کے ساتھ انگلینڈ میں اوول (Oval) کے میدان میں برطانوی

کرکٹ ٹیم کو پہلی بار اس کی سرزمین پر شکست دی تھی۔

کپتان فضل محمود کا ایک انٹرویو "نوائے وقت سنڈے میگزین" مورخہ 5 مئی 2002ء میں شائع ہوا ہے۔ اس میں کپتان فضل محمود نے ریڈکلف کمیشن کی بددیانتی سے متعلق ایک جرأتمندانہ واقعہ بیان کیا ہے۔ آیئے پڑھتے ہیں۔

"اوول کے ہیرو نے ایک واقعہ سناتے ہوئے کہا کہ اوول ٹیسٹ سے تین دن قبل پاکستانی ٹیم کے اعزاز میں ہاؤس آف لارڈز میں ڈنر دیا گیا۔ میرے بائیں طرف لارڈ ہیسٹنگز بیٹھے تھے۔ لارڈ ہیسٹنگز کے والد برصغیر میں وائسرائے رہ چکے تھے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ فضل آپ کشمیر کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ ۔۔۔ میں نے کہا سچ تو یہ ہے کہ ہم سب اس بات پر متفق ہیں کہ لارڈ ریڈکلف ایوارڈ ناانصافی اور بددیانتی پر مبنی ہے اس میں مسلمانوں کے حقوق کو غصب کر کے ہندوؤں کو خوش کرنے کی کوشش کی گئی۔ ہمارے وہ علاقے بھی ہندوستان میں شامل کر دیئے گئے ہیں جن میں مسلمانوں کی آبادی ہندوؤں کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی اور تو اور ہوشیار پور کو بھارت کے حوالے صرف اس لئے کیا گیا کہ ہندوؤں کو کشمیر میں داخل ہونے کا راستہ مل جائے۔"

کپتان فضل محمود آگے چل کر بیان کرتے ہیں:۔

"تقریب کے اختتام سے تھوڑی دیر قبل لارڈ ریڈکلف ہمارے درمیان آئے تو میرا جب ان سے تعارف کروایا گیا تو میں نے ان سے کہا کہ سر آپ نے ریڈکلف ایوارڈ میں مسلمانوں کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے آپ کو ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہئے تھا۔ میری بات غور سے سننے کے بعد وہ شرمندہ ہو کر آگے بڑھ گئے۔"

لارڈ ہیسٹنگز کا اظہار شرمندگی

کپتان فضل محمود نے اوول کے میچ میں کامیابی کے بعد کا ذکر کرتے ہوئے بتایا:۔

"میچ کے اختتام پر ڈریسنگ روم میں مجھے لارڈ ہیسٹنگز کا فون آیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں نے آپ کو مبارکباد کا یہ فون اس لئے نہیں کیا کہ آپ نے انگلینڈ کو شکست دی ہے بلکہ میں نے یہ فون اس لئے کیا ہے کہ آپ لوگوں نے یہ بات درست ثابت کر دی ہے کہ برصغیر میں مسلمانوں کو ان کے حقوق اور موقع سے محروم کرنا واقعی بہت بڑی زیادتی تھی۔ دوسرا یہ کہ آپ نے کشمیر کے حوالے سے جو بات کہی ہے میں آپ کی تائید کرتا ہوں اور اس زیادتی پر شرمندہ ہوں۔"

(انٹرویو سابق کپتان پاکستان کرکٹ ٹیم جناب فضل محمود مطبوعہ نوائے وقت سنڈے میگزین مورخہ 5 مئی 2002 ص 13,12)

کشمیر جانے کا راستہ

معروف مذہبی مضمون نگار خواجہ عابد نظامی کا عالم اسلام سے متعلق ایک مضمون نوائے وقت سنڈے میگزین مورخہ 21 جولائی 2002ء کو شائع ہوا ہے۔ اس میں کشمیر اور ریڈکلف ایوارڈ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"جب پاکستان بنا اور اعلان کے مطابق ضلع گورداسپور پاکستان میں شامل ہو گیا تو ایک سازش کے تحت تین روز کے بعد دوبارہ اعلان کیا گیا کہ ضلع گورداسپور بھارت میں شامل کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کیلئے ریڈکلف ایوارڈ کے ذریعے یہ سازش اس لئے کی گئی کہ اگر گورداسپور پاکستان میں رہتا تو بھارت کو کہیں سے کشمیر جانے کا راستہ نہ ملتا۔ اس اعلان پر ہندوستانی فوجیں کشمیر میں داخل ہو گئیں اور ریاست پر قبضہ کر لیا۔"

(نوائے وقت سنڈے میگزین مورخہ 21 جولائی 2002ء ص 2 کالم 5)

جیک سٹرا کا بیان

برطانوی وزیر خارجہ جیک سٹرا نے کہا ہے کہ کشمیر، فلسطین اور مشرق وسطیٰ کے دیگر مسائل برطانوی دور استعمار کی غلطیوں کا نتیجہ ہیں۔ علاقے کے ممالک ان غلطیوں کے نتائج آج تک بھگت رہے ہیں۔

(نوائے وقت مورخہ 17 نومبر 2002ء ص 3)

برطانیہ کی سنگین غلطی

مندرجہ بالا خبر پر "مدیر سراہے" نے مندرجہ ذیل عمدہ تبصرہ کیا ہے:۔

"برطانوی وزیر خارجہ جیک سٹرا نے تسلیم کر لیا ہے کہ برصغیر پاک وہند کی آزادی کے وقت تقسیم کے عمل میں برطانیہ سے سنگین قسم کی غلطیاں سرزد ہوئیں اور کشمیر میں آج جو کچھ ہو رہا ہے وہ انہی غلطیوں کا نتیجہ ہے۔ ایک میگزین کو انٹرویو دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ برصغیر کو آج جن مسائل کا سامنا ہے میں اعتراف کرتا ہوں کہ ان کا ذمہ دار تخت برطانیہ ہے۔ اہل پاکستان تو بہت عرصے سے لکھ رہے ہیں کہ مسئلہ کشمیر ریڈکلف ایوارڈ کا پیدا کردہ ہے۔ اگر برطانیہ بددیانتی کا مظاہرہ نہ کرتا اور گورداسپور کا مسلم اکثریتی علاقہ ہندوستان کو نہ بخشتا تو بھارت کو کشمیر میں داخلے کا موقع ہی نہ ملتا۔ لیکن پنڈت نہرو نے سازباز کر کے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو رام کر لیا اور اسے بھارت کا پہلا گورنر جنرل بنا کر "پنڈت ماؤنٹ بیٹن" بنا دیا۔"

(کالم "سراہے" مطبوعہ نوائے وقت مورخہ 18 نومبر 2002ء)

ہندوؤں اور انگریزوں کی کھلی ناانصافی

معروف مضمون نگار محمد خان نقشبندی وضاحت سے لکھتے ہیں:۔

"پاکستان پر سب سے پہلا وار باؤنڈری کمیشن کا رسوائے زمانہ ریڈکلف ایوارڈ تھا جس کے تحت کانگریسی لیڈروں خاص کر پنڈت جواہر لعل نہرو نے غیر منقسم ہندوستان کے آخری برطانوی وائسرائے اور آزاد بھارت کے پہلے گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور باؤنڈری کمیشن کے یہودی انگریز سربراہ ریڈکلف سے سازباز کر کے مشرقی اور مغربی پاکستان میں کئی مسلم اکثریت والے علاقوں کو بھارت میں شامل کرا دیا۔ ان علاقوں میں پنجاب کا مسلم اکثریت کا ضلع گورداسپور بھی تھا جسے بھارت میں شامل کر کے بھارت کو ریاست جموں وکشمیر میں داخل ہونے کیلئے ایک چور دروازہ مہیا کر دیا گیا۔ اس کھلی ناانصافی کی وجہ سے بھارت اور پاکستان کے درمیان کشمیر کا تنازعہ شروع ہوا جو اب تک ایک ناسور کی شکل میں چلا آ رہا ہے۔"

(مضمون 'بھارت کی پاکستان دشمنی' مطبوعہ نوائے وقت مورخہ یکم فروری 2003ء)

معروف کشمیری مضمون ڈ۔ رشید ملک اپنے مضمون "کشمیر۔۔۔ 13 جولائی سے 19 جولائی تک" مطبوعہ نوائے وقت مورخہ 17 جولائی 2003ء میں لکھتے ہیں:۔

"کانگریس نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن وائسرائے ہند سے مل کر پنجاب کی غلط اور غیر منصفانہ تقسیم کے ذریعہ گورداسپور کا ضلع مشرقی پنجاب میں داخل کرا لیا اور یوں پٹھان کوٹ کے چور دروازہ کے ذریعہ ریاست جموں وکشمیر سے زمینی رابطہ حاصل کر لیا۔"

(مضمون مطبوعہ نوائے وقت مورخہ 17 جولائی 2003ء)

معروف مضمون نگار شاہ بلیغ الدین اپنے مضمون "قائد تیری باتوں میں گلوں کی خوشبو" مطبوعہ نوائے وقت مورخہ 14 اگست 2003ء میں یوں رقمطراز ہیں:۔

"جو بدعنوانیاں اور کھلی بے ایمانیاں اس (لارڈ ماؤنٹ بیٹن وائسرائے ہند۔ ناقل) نے پاکستان کی تقسیم میں کی تھیں ان سے وہ ڈرتا تھا۔ اسی کی سازش تھی کہ اس نے ریڈکلف ایوارڈ کو بدل کر گورداسپور کا علاقہ پاکستان سے کاٹ کر بھارت میں شامل کر دیا تھا تا کہ کشمیر بھارت کے قبضے میں چلا جائے۔"

(مضمون مطبوعہ نوائے وقت مورخہ 14 اگست 2003ء، اشاعت خاص)

جسٹس راجہ افراسیاب خان سابق جج سپریم کورٹ آف پاکستان اپنے ایک مضمون "نہرو کے متعلق شیخ عبداللہ کا تاریخی انکشاف" مطبوعہ نوائے وقت مورخہ 3 دسمبر 2003ء میں لکھتے ہیں:۔

"ریاست ہائے جوناگڑھ، مناوراور منگرول جن کے حکمران مسلمان تھے اور انہوں نے اپنی ریاستوں کا الحاق پاکستان کے ساتھ کیا ہوا تھا زبردستی فوج کشی سے بھارت میں ضم کر لیا تھا۔ ریاست جموں وکشمیر کو بھی طاقت کے بل بوتے پر حاصل کرنے کیلئے لارڈ ماؤنٹ بیٹن گورنر جنرل سے گہری سازش کر کے ریڈکلف ایوارڈ میں ردوبدل کر کے ضلع گورداسپور کو پاکستان سے واپس کرا لیا تھا۔ گورداسپور کا ضلع مسلم اکثریتی ضلع تھا مگر بھارت کو کشمیر میں داخل ہونے کیلئے گورداسپور ضلع کی اشد ضرورت تھی۔ بعد کے حالات بتاتے ہیں کہ بھارت زمین کے راستے سے ضلع گورداسپور سے گزر کر سرزمین کشمیر میں داخل ہوا تھا۔"

(مضمون مطبوعہ نوائے وقت مورخہ 3 دسمبر 2003ء)

حدبندی خفیہ تبدیل کی گئی

سابق وزیر اطلاعات ونشریات مشاہد حسین اپنے ایک مضمون "2003ء کی منتخب کتابیں" میں یوں رقمطراز ہیں:۔

"چرچل کے ممتاز مقلدین" کے مصنف اینڈریو رابرٹس ہیں۔ یہ کتاب 1994ء میں شائع ہوئی تھی اور اسے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے بارے میں کسی انگریز مصنف کی صادق ترین اور معلومات افزا کتاب کا درجہ حاصل ہے۔ یہ کتاب مجھے بہت کم قیمت پر مل گئی۔ اس کتاب میں ہندوستان میں برطانیہ کے آخری وائسرائے کے بارے میں 82 صفحات شامل ہیں جن میں واضح طور پر بڑی تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ ریڈکلف ایوارڈ میں جس کے تحت پنجاب کو تقسیم کیا گیا تھا کیا تبدیلی کی گئی تھی۔ چنانچہ 9 اگست 1947ء کو فیروز پور اور زیرہ کی تحصیلیں پاکستان میں شامل تھیں لیکن 12 اگست 1947ء کو ہندوستان میں شامل کر دی گئیں اور پنجاب کی تقسیم کی لکیر تبدیل کر دی گئی۔ رابرٹس نے لکھا ہے کہ ریڈکلف پر ماؤنٹ بیٹن نے دباؤ ڈال دیا تھا کہ وہ تقسیم کی لکیر تبدیل کر دے اس نے لکھا ہے کہ حدبندی خفیہ طور پر تبدیل کر دی گئی جو پاکستان کے مفاد کے خلاف تھی۔"

(نوائے وقت مورخہ 30 جنوری 2004ء)

حضرت چوہدری صاحب کی تعریف

ایک صاحب کی غیر معقول تنقید کا جواب دیتے ہوئے جناب منیر احمد منیر صاحب اپنے ایک کالم میں چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"ان کی تعریفیں تو وہ ہستی کرتی رہی ہے جسے دنیا بانی پاکستان بابائے قوم حضرت قائداعظم محمد علی جناح کے مبارک القاب اور نام سے جانتی ہے۔ سچائی جن کی پہچان تھی، جنہوں نے کسی کا دل رکھنے کیلئے مصلحتاً بھی جھوٹ نہ بولا۔ میں نے تو نہیں قائداعظم نے چوہدری ظفر اللہ خان کو پنجاب باؤنڈری کمیشن کے سامنے مسلم لیگ کا کیس پیش کرنے کیلئے مقرر کیا تھا اور جب چوہدری ظفر اللہ خان یہ کیس پیش کر چکے، قائداعظم نے انہیں شام کے کھانے کی دعوت دی اور انہیں معانقہ کا شرف بخشا جو قائداعظم کی طرف سے کرۂ ارض پر بہت کم لوگوں کو نصیب ہوا۔ معانقہ کرنے کے بعد **قائداعظم نے چوہدری ظفر اللہ خان سے کہا "میں تم سے بہت خوش ہوں اور تمہارا نہایت ممنون ہوں کہ جو کام تمہارے سپرد کر دیا گیا تھا، تم نے اسے اعلیٰ قابلیت اور نہایت**

احسن طریقے سے سرانجام دیا۔" قیام پاکستان کے بعد میں نے نہیں، قائداعظم نے چوہدری ظفر اللہ خان کو پاکستان کی نمائندگی کیلئے یو این او میں بھیجا تھا۔ جب قائداعظم نے امریکہ میں پاکستانی سفیر حسن اصفہانی کو لکھا کہ ظفر اللہ خان کو واپس بھیج دیں تو اصفہانی صاحب نے پس و پیش کی۔ اس پر 22/اکتوبر 1947ء کو اصفہانی کے نام اپنے خط میں یہ جملہ قائداعظم نے ہی ظفر اللہ خان کیلئے لکھا تھا"...... یہاں ہمارے پاس اہل، خاص طور پر ان جیسے مقام (Calibre) کے حامل افراد کی کمی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف مسائل کے حل کیلئے ہماری نگاہیں بار بار ان کی طرف اٹھتی ہیں۔" قائداعظم اصفہانی خط و کتابت آپ کے ممدوح پروفیسر زوار حسین زیدی نے مرتب کی تھی۔ آپ ان سے اس کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ ظفر اللہ خان کو پاکستان کا وزیر خارجہ بھی قائداعظم نے ہی مقرر کیا تھا۔ قیام پاکستان سے کوئی 12 برس قبل سنٹرل لیجسلیٹو اسمبلی کے بھرے اجلاس میں یہ جملہ بھی قائداعظم نے ہی ادا کیا تھا "ظفر اللہ خان میرا سیاسی بیٹا ہے۔"

(روزنامہ خبریں 7 جون 2003ء)

گہری سازش

روزنامہ نوائے وقت اپنے 22 جون 2003ء کے اداریے میں لکھتا ہے:-

"پاکستان نے 14/اگست 1947ء کو اپنی مملکت کی پہلی اینٹ رکھی تھی جس کی ہندو سیاستدانوں نے نہ صرف سرتوڑ مخالفت کی بلکہ آخری وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور باؤنڈری کمیشن کے چیئرمین ریڈکلف سے مل کر جو تقسیم کی لکیر کھینچی گئی، وہ اسی گہری سازش کا نتیجہ تھی کہ پاکستان چند ماہ سے زیادہ قائم نہیں رہ سکے گا۔ اس پر مستزاد پنڈت نہرو نے کشمیر میں فوجیں اتار کر ایک ایسا مسئلہ کھڑا کر دیا۔ جو تقسیم ہند کے ایجنڈے سے یکسر عدم مطابقت رکھتا اور کشمیری باشندوں کی مرضی کے خلاف تھا اس نازک مرحلے پر اس نوزائیدہ مملکت کیلئے سب سے اہم اس کی بقا کا مسئلہ تھا جبکہ بھارتی سیاستدان اس کے خلاف دندان آز تیز کر رہے تھے۔ سیٹو اور سینٹو جیسے معاہدوں میں پاکستان کی شرکت بھی دراصل اس کی بقا کے ساتھ وابستہ تھی اور امریکہ کی طرف رغبت اس ضرورت ہی کا فطری نتیجہ تھا۔"

(نوائے وقت 22 جون 2003ء)

انگریزی سے ترجمہ: احمد نجیب صاحب

چوہدری ظفر اللہ خان صاحب ایک بااصول، باوفا اور متبحر عالم باعمل انسان تھے

نواب آف بھوپال کی اہلیہ شہزادی عابدہ سلطان صاحبہ کے تاثرات

نواب آف بھوپال کی اہلیہ شہزادی عابدہ سلطان آف بھوپال حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے بارہ میں اپنی کتاب Autumn Leaves 2000-2002 میں تحریر کرتی ہیں۔

سر ظفر اللہ خان سے میری پہلی ملاقات 1944ء سے 1947ء کے عرصہ میں ہوئی جب وہ عزت مآب (نواب آف بھوپال) کے مشیر کے طور پر بھوپال آئے۔ چونکہ میں متوقع جانشین کے ساتھ ساتھ کابینہ کی صدر بھی تھی اس لئے سر ظفر اللہ کے ساتھ میری کافی بات چیت رہتی۔ اسی دوران میں ان کی غیر معمولی ذہانت، اخلاص اور انسانی ہمدردی جیسی خوبیوں سے آگاہ ہوئی۔ احمدی ہونے کے ناطے وہ ہمارے لئے ایک انفرادیت رکھتے تھے کیونکہ بھوپال میں ہمارا شاید ہی کبھی کسی احمدی سے واسطہ پڑا ہو۔ مگر ہمارے ہاں ذاتی عقائد کا احترام کیا جاتا تھا۔

بھارت اور پاکستان کی آزادی سے پہلے چند سال بہت اہم تھے۔ سر ظفر اللہ خان اس دوران بھی ایک مضبوط پاکستان کے لئے کوشاں تھے۔ ایک طریق جس سے آپ سمجھتے تھے کہ برصغیر میں توازن پیدا ہو سکے گا یہ تھا کہ نوابوں کی ریاستوں پر مشتمل ایک نیا بلاک منظر عام پر لایا جائے۔ ظفر اللہ خان نے 'راجستان' کے اس نظریے کے لئے انتھک محنت کی۔ سر ظفر اللہ کی قوت استدلال اور بات منوانے کا سلیقہ ہی تھا جس کے نتیجہ میں کئی ہندو ریاستیں مثلاً جودھ پور، اندور، کشمیر اور بیکانیر اس نئے بلاک کے متعلق سنجیدگی سے غور کرنے لگیں۔ آپ کے نزدیک اس بلاک کے ذریعہ سے پاکستان کے مقابل پر ہندوستان کی برتر طاقت کا توڑ کیا جا سکتا تھا۔ اگرچہ پاکستان کو ابھی معرض وجود میں آنا تھا، مگر آپ پہلے سے ہی اس کے قیام اور مضبوطی کے لئے کوشاں تھے۔

اس کے بعد سر ظفر اللہ خان سے میری ملاقاتیں تب ہوئیں جب آپ پاکستان کے وزیر خارجہ رہے۔ خاص طور پر 1954ء کی اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں جب میں پاکستان کے وفد میں شامل تھی اور اس کی سربراہی سر ظفر اللہ کر رہے تھے۔ آپ کے اتنے قریب رہ کر کام کرنے سے ہی مجھے صحیح طور پر آپ کی وقف کی غیر معمولی روح اور پاکستان کے لئے محبت کا اندازہ ہوا۔ اگرچہ آپ شوگر کے مریض تھے پھر بھی آپ آرام کرنے کی بجائے اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے مسلسل پاکستان کے لئے کام کرتے رہتے۔ آپ اقوام متحدہ میں پاکستان کے دفتر میں ہی ایک کمرے میں چند گھنٹے سو لیا کرتے تھے اور فائیو سٹار ہوٹلوں کا خرچ بچاتے۔ ورطہ حیرت میں ڈال دینے والی اپنی ذہانت کی وجہ سے آپ اقوام متحدہ میں شریک ہونے والے وزرائے خارجہ کے درمیان ایک روشن ستارے کی طرح نمایاں تھے جہاں آپ پاکستان کا موقف انتہائی فصیح و بلیغ طریق پر پیش کرتے۔ کرشنا مینن کے ساتھ آپ کی آٹھ آٹھ گھنٹے کی بحث اقوام متحدہ میں زبان زدعام ہو گئی تھی۔ یہ مدلل تقاریر آپ نے بڑی محنت اور مہارت سے تیار کی تھیں جو اگرچہ سخت ناقدانہ انداز کی حامل تھیں لیکن کسی بھی ذاتی عناد سے بالکل پاک تھیں۔ اقوام متحدہ کی ہر کمیٹی کی کارروائی پر گہری نظر اور باقاعدہ آگاہی نیز پاکستانی وفد کی مسلسل رہنمائی سے آپ کی خداداد فراست نمایاں طور پر جھلکتی دکھائی دیتی تھی۔

سر ظفر اللہ خان ایک غیر معمولی انسان تھے۔ آپ کو اپنے عقائد کی بنا پر تنگ بھی کیا جاتا مگر آپ پرسکون اور باوقار طریق پر اسے برداشت کرتے۔ اس دشنام طرازی کے باوجود پاکستان اور دیگر اسلامی مقاصد کے لئے آپ کی جدوجہد میں ذرا بھر فرق نہ آیا۔ عرب ممالک خصوصاً شمالی افریقہ اور مشرق وسطیٰ میں آپ کو اس قدر احترام کی نظر سے دیکھا جاتا کہ کئی دہائیوں بعد بھی عرب گھرانوں میں آپ کا نام گھر گھر میں لیا جاتا تھا۔ میاں صاحب نے مجھے بتایا کہ تیونس (جہاں آپ نے 66-1962ء تک خدمات سرانجام دیں) میں بہت سے لوگوں نے آپ کے نام پر اپنے بچوں کے نام ظفر اللہ رکھ دیئے۔ نیز جب بھی شمالی افریقہ کا کوئی باشندہ کسی پاکستانی سے ملتا تو اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے آپ کی مدح سرائی کے ساتھ ساتھ بتاتا کہ کس طرح اعلیٰ اور خوبصورت انداز میں آپ نے ان کا مدعا پیش فرمایا تھا۔ میاں صاحب نے یہ بھی بتایا کہ سر ظفر اللہ خان مشرق وسطیٰ اور اردن میں بھی اسی طرح محترم جانے جاتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ ایک سچے اور پکے احمدی تھے اور احمدیت کے مقاصد کی تکمیل کے لئے ان کا یہ طریق تھا کہ جس قدر ہو سکتا اپنی تنخواہ میں سے رقم بچاتے تاکہ ہر ماہ کے اواخر میں ایک خطیر رقم ربوہ بھجوا سکیں۔ آپ جس کفایت شعاری کی وجہ سے مشہور تھے وہ کسی ذاتی مقصد کے حصول کے لئے نہ تھی بلکہ اسی مذہبی خدمت گزاری اور اخلاص کی خاطر تھی۔

میں سر ظفر اللہ خان کو ایک محب وطن اور اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک انسان کے طور پہ ہمیشہ یاد رکھوں گی۔ آپ ایک بااصول، باوفا، اور متبحر عالم باعمل انسان تھے۔ تصویر دیکھ کر اندازہ لگا لینے کی صلاحیت بھی آپ میں ایسی موجود تھی کہ ایک صفحے کے سرسری مطالعہ سے ہی نفس مضمون کا اندازہ لگا لیا کرتے تھے۔ اس پر طرہ یہ کہ انتہائی ذہین و فطین ہونے کے باوجود انتہا درجہ کے منکسر المزاج شخص تھے۔ میں صدق دل سے سمجھتی ہوں کہ پاکستان کیلئے یہ بات نہایت قابل شرم ہے کہ آپ کی اعلیٰ ملی اور ملکی خدمات کو محض ذاتی عقائد کی وجہ سے پس پشت ڈال دیا جائے، جیسا کہ پاکستان کے ایک بزرگ اور واحد نوبل انعام یافتہ سائنسدان پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام کے ساتھ کیا گیا۔

بقیہ صفحہ 1

چاہئے۔ اگر ہماری قوم آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد پر عمل پیرا ہو جائے تو علاوہ اعلیٰ صحت کے ملک سے غذائی قلت بھی جاتی رہے گی اور عوام کو اکثر بیماریوں سے نجات بھی مل جائے گی۔"

اسی طرح فرمایا:-

"ہمارے احمدیوں کو پرخوری سے اجتناب کرنا چاہئے اور ملک میں ایسی تحریک شروع کرنی چاہئے کہ یہ بات عوام کے ذہن نشین کرائی جائے کہ زیادہ کھانے سے نقصان ہی ہوتا ہے اور اپنی صحت کا بھی اور قومی معیشت کا بھی۔"

(الفضل ربوہ 23 مئی 1971ء)

دعاؤں اور صدقات کی تحریک

وقتاً فوقتاً آپ پاکستان کی سلامتی اور استحکام کیلئے دعاؤں اور صدقات کی تحریک فرماتے رہے۔ 22 ستمبر 1972ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا "ضروری بات میں اس وقت یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے ملک کے موجودہ حالات صاحب فراست کے دل میں تشویش پیدا کر رہے ہیں۔ اندرونی دشمن، دشمنی کے کاموں میں لگے ہوئے ہیں اور بیرونی دنیا کا ایک بڑا حصہ ہمارا دوست نہیں ہے بلکہ وہ ہمارا دشمن ہے اور ان کی باتیں، ان کے منصوبے، ان کی خواہشات اور ان کے عمل ہمارے ملک کے خلاف ہیں۔ گو ساری دنیا تو ہمارے خلاف نہیں...... لیکن دنیا کا ایک بڑا حصہ ہمارا دشمن ہے...... اس واسطے قوم پر اس وقت ایک ابتلاء کا وقت ہے۔ دعاؤں اور صدقات سے ابتلاء دور ہو جایا کرتے ہیں۔ اس لئے آپ دعائیں کریں اور استحکام پاکستان کیلئے جس حد تک ممکن ہو صدقات بھی دیں۔"

(الفضل ربوہ یکم اکتوبر 1972ء)

حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب اور بانئ پاکستان قائد اعظم کا گہرا تعلق

مسلم لیگ کی صدارت سے لے کر پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ کے منصب پر فائز ہونے تک ملی خدمات کی داستان

مرزا خلیل احمد قمر صاحب

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کا بانئ پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح سے تعلق قیام پاکستان کے وقت سے ہی شروع نہیں ہوا تھا بلکہ اس سے بیس سال قبل چوہدری صاحب پنجاب کونسل کے ممبر منتخب ہوئے تھے اور انہوں نے مسلمانان پنجاب کی بے لوث اور شاندار خدمات سرانجام دیں پھر اسی دوران چوہدری صاحب انگلستان تشریف لے گئے اور وہاں مسلمانان ہند کے حقوق کو مدلل طور پر برطانوی پارلیمنٹ کے ممبران اور سیاستدانوں کے سامنے پیش کیا۔ قائد اعظم چوہدری صاحب کی ان مساعی سے مکمل طور پر آگاہ تھے۔

مسلم لیگ کی صدارت

علامہ اقبال کی مسلم لیگ کی صدارت کے اگلے سال چوہدری صاحب ہی مسلم لیگ کے صدر تھے پھر جس طرح مسلم لیگ کو مسلمانوں کی جماعت بناتے اور دونوں مسلم لیگوں جناح لیگ اور شفیع لیگ کو پھر سے یکجا کرنے میں کوشاں رہے۔ اور اس سلسلہ میں چوہدری صاحب کی کارکردگی سے قائد اعظم پوری طرح واقف تھے۔ پھر گول میز کانفرنسز کے سلسلہ میں قائد اعظم کے ساتھ چوہدری صاحب نے مسلمانان ہند کی نمائندگی کی۔ **ان کانفرنسز کے دوران ان کو ایک دوسرے کے ساتھ کام کرنے کا موقعہ ملا۔ اور ایک دوسرے کو جاننے اور سمجھنے کے مواقع میسر آئے۔**

قائد اعظم کے تعریفی کلمات

جب چوہدری صاحب وائسرائے کونسل میں قانون تجارت، فنانس اور ریلوے کے وزیر تھے، اسمبلی کی کارروائی میں حصہ لیتے تھے۔ قائد اعظم بھی مرکزی اسمبلی کے نمایاں ممبر تھے۔ اس دوران بھی قائد اعظم کا چوہدری صاحب سے میل ملاقات کا سلسلہ جاری رہا۔ چوہدری صاحب کو ممبران کے سوالات کے جوابات بھی دینے کے مواقع آتے رہے۔ جس سے قائد اعظم چوہدری صاحب کی کارکردگی اور معاملہ فہمی سے پوری طرح آگاہ تھے۔ ہندوستان اور برطانیہ کے درمیان تجارتی معاہدہ کے سلسلہ میں ایک وفد چوہدری صاحب کی سربراہی میں انگلستان گیا تو نواب زادہ لیاقت علی خان صاحب بھی اس وفد کے ممبر تھے۔ اس معاہدہ کو بعد میں "اٹاوہ پیکٹ" کا نام دیا گیا۔ ہندوستان کی مرکزی اسمبلی میں اس معاہدہ پر بحث کرتے ہوئے قائد اعظم نے چوہدری صاحب کی مساعی اور کارکردگی کو سراہتے ہوئے فرمایا:۔

"میں اپنی اور اپنی پارٹی کی طرف سے آنریبل سر ظفر اللہ خان کو ہدیہ تبریک پیش کرنا چاہتا ہوں۔ وہ ...... ہیں اور یوں کہنا چاہئے کہ میں گویا اپنے بیٹے کی تعریف کر رہا ہوں مختلف حلقوں نے انہیں جو مبارک باد دی ہے میں اس کی تائید کرتا ہوں۔

(ہماری قومی جدوجہد، ص218، ہر چہار حصص از عاشق حسین بٹالوی شائع کردہ سنگ میل پبلیکیشنز لاہور 1996ء)

الگ وطن کا تفصیلی مطالبہ

1939ء میں جب ہندوؤں کے ناروا سلوک سے مسلمانوں میں الگ وطن کی تحریک مقبولیت حاصل کرتی جارہی تھی۔ تو بعض ہندو اور انگریز مسلمانوں کے اس مطالبہ سے خائف تھے۔ اور بعض اس مطالبہ کو ایک ناقابل عمل مطالبہ قرار دے کر مسترد کرنے کے حق میں تھے۔ ان حالات میں مسلم لیگ اپنے اجلاس لاہور منعقدہ 23,22,21 مارچ 1940ء کا اعلان کر چکی تھی۔ اور یہ چہ مگوئیاں ہو رہی تھیں کہ اس اجلاس میں مسلمانوں کے لئے الگ وطن کا مطالبہ کیا جائے گا۔ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب مسلم لیگ اور قائد اعظم کے مطالبہ سے مکمل طور پر آگاہ تھے۔ یہ تھی صورت حالات جس میں چوہدری صاحب نے مسلم لیگ کے مطالبہ الگ وطن پر مشتمل ایک قسط کی صورت میں تفصیلی نوٹ تیار کیا۔ جس میں پہلی دفعہ الگ وطن کے مطالبہ کو تفصیلاً اور مدلل طور پر پیش کیا گیا تھا۔ یہ نوٹ 22 فروری 1940ء کو وزیر ہند لارڈ زٹلینڈ کو بھجوانے کے لئے وائسرائے ہند لارڈ لنلتھگو کو دیا۔ اس خط میں یہ بھی درج تھا کہ اس نوٹ کی ایک نقل قائد اعظم محمد علی جناح کو بھی بھجوائی جارہی ہے۔ جس میں مسلمانان ہند کے الگ وطن کے مطالبہ کو "علیحدگی کی سکیم" کے نام سے متعارف کروایا گیا تھا۔

"ہندوستان کے مسلمان ایک واضح طور پر علیحدہ قوم ہیں اور یہ کہ ان کے لئے واحد تسلی بخش قابل قبول آئینی مسائل کا حل یہ ہے کہ شمال مشرقی اور شمال مغربی فیڈریشنیں قائم کی جائیں اور یہ قطعی طور پر وہی مطالبہ تھا جو کہ چند دنوں کے بعد مسلم لیگ کی 23 مارچ 1940ء کی قرارداد میں پیش کیا گیا دو قومی نظریہ اور شمال مشرقی اور شمال مغربی فیڈریشنوں کے قیام کا نظریہ جس تفصیل اور جس وضاحت سے میرے نوٹ میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ بات میرے ہم عصروں یا مجھ سے پہلے آنے والوں کی کسی دستاویز یا بیان میں قطعاً موجود نہیں تھی۔"

(خط چوہدری محمد ظفر اللہ خان، پاکستان ٹائمز لاہور 13 فروری 1982ء، ص5)

- چوہدری صاحب انڈین فیڈرل کورٹ کے جج بنے تو قائد اعظم نے بطور جج بھی چوہدری صاحب کی قانونی مہارت کا مشاہدہ کیا تھا۔

اقوام متحدہ کے دستور کی تیاری

عبوری حکومت 1945ء کے دوران پنڈت جواہر لال نہرو وزیر خارجہ تھے۔ انہوں نے چوہدری صاحب کو اقوام متحدہ کے آئین کی تیاری کے سلسلہ میں اقوام متحدہ میں ہندوستانی نمائندہ کی حیثیت میں شرکت کرنے کی پیشکش کی مگر ان دنوں ابھی تک مسلم لیگ کا عبوری حکومت میں شامل ہونے کا سوال طے نہیں ہوا تھا۔ آپ نے پنڈت جی سے معذرت کر لی۔ بعد میں مسلم لیگ عبوری حکومت میں شامل ہوگئی تو مسلم لیگ کی اجازت سے آپ کو ہندوستان کی نمائندگی کرتے ہوئے اقوام متحدہ کے دستور کی تیاری کا اعزاز حاصل ہوا۔ گویا پاکستان کے وجود میں آنے سے قبل ہی چوہدری صاحب کی بین الاقوامی امور میں مہارت تسلیم شدہ تھی۔ اس لئے قائد اعظم نے آپ کو پنجاب باؤنڈری کمیشن میں مسلم لیگ کا کیس پیش کرنے کے لئے نامزد فرمایا۔

باؤنڈری کمیشن میں خدمات

باؤنڈری کمیشن میں چوہدری صاحب نے جو عظیم الشان خدمات سرانجام دیں ان کو سراہتے ہوئے۔ تحریک پاکستان کے نامور صحافی اور نوائے وقت کے بانی ایڈیٹر جناب حمید نظامی نے لکھا:۔

"قائد اعظم کی خواہش تھی کہ ظفر اللہ کمیشن کے سامنے ملت کے وکیل کی حیثیت سے پیش ہوں۔ اس لئے آپ نے بلا تامل یہ کام اپنے ذمہ لیا اور ایسی قابلیت سے سرانجام دیا کہ قائد اعظم نے خوش ہو کر آپ کو یو۔این۔او۔ میں پاکستانی وفد کا قائد مقرر کر دیا۔ جس طرح آپ نے ملت کی وکالت کا حق ادا کیا تھا اس سے آپ کا نام پاکستان کے قابل احترام خادموں کی فہرست میں شامل ہو چکا تھا۔

آپ نے ملک وملت کی جو شاندار خدمات سرانجام دیں تو قائد اعظم انہیں حکومت پاکستان کے اس عہدے پر فائز کرنے پر تیار ہو گئے جو باعتبار منصب وزیر اعظم کے بعد سب سے اہم اور وقیع عہدہ شمار ہوتا ہے قائد اعظم نے چوہدری صاحب کو بلا تامل پاکستان کا وزیر خارجہ بنا دیا۔"

(روزنامہ نوائے وقت، 24 راگست 1948ء)

قائد اعظم کا انتخاب

قائد اعظم نے چوہدری صاحب کو اقوام متحدہ سے پاکستان بلوایا تو امریکہ میں پاکستان کے سفیر جناب ایم۔ایچ۔اصفہانی نے اپنے خط محررہ 15 راکتوبر 1947ء کے خط میں قائد اعظم کو لکھا:۔

"سر ظفر اللہ نے فلسطین کے مسئلہ پر اقوام متحدہ میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔ اس طرح وہ پاکستان کو صف اول میں لے آئے ہیں...... ان کا کام ابھی تو شروع ہوا ہے۔ وہ چلے گئے تو ہم یہاں رفاقت اور رہنمائی سے محروم رہ جائیں گے۔"

قائد اعظم نے اس خط کے جواب میں اصفہانی کے نام اپنے خط محررہ 22 راکتوبر 1947ء میں لکھا:۔

"جہاں تک ظفر اللہ کا تعلق ہے ہم یہ نہیں چاہتے کہ وہ اپنا کام چھوڑ کر آجائیں اور جہاں ان کی ضرورت ہے اس کام کو ادھورا چھوڑ دیں اور مجھے یقین ہے کہ انہوں نے میری طرف سے یہ بات آپ تک پہنچا دی ہوگی۔ لیکن بات یہ ہے کہ ہمارے پاس اہل افراد کی بہت کمی ہے خصوصاً ان جیسے مرتبہ ومقام کے آدمیوں کی تو بہت ہی کمی ہے اور اس لئے ہوتا یہی ہے کہ جب بھی کوئی اہم مسئلہ حل کرنا ہوتا ہے تو ہماری نظریں لامحالہ ان کی طرف ہی اٹھتی ہیں۔"

چوہدری صاحب کی قابلیت مہارت کو دیکھتے ہوئے قائد اعظم نے آپ کو 25 دسمبر 1947ء کو پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ مقرر فرمایا۔

سول اینڈ ملٹری گزٹ نے قائد اعظم کے حوالے سے لکھا:۔

"یہ ایک کھلا راز ہے کہ ظفر اللہ خان نے اس عہدہ (وزارت خارجہ) کو قبول کرنے میں بڑی ہچکچاہٹ ظاہر کی۔ قائد اعظم کی پیشکش کے جواب میں آپ نے کہا کہ اگر آپ کو میری قابلیت اور دیانت پر پورا اعتماد ہے تو میں وزارت کے علاوہ کسی اور صورت میں پاکستان کی خدمت کرنے کو تیار ہوں۔

اس پر قائد اعظم نے یہ تاریخی جواب دیا۔

"آپ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے مجھ سے ایسے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ مجھے پتہ ہے آپ عہدوں کے بھوکے نہیں ہیں۔"

قائد اعظم کا یہ جواب چوہدری صاحب کی قابلیت اور راستبازی کا ایک روشن ثبوت ہے۔"

(سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور، 12 راگست 1952ء)

چوہدری صاحب کے متعلق قائد اعظم اکثر فرمایا کرتے تھے:۔

"ظفر اللہ کا دماغ خداوند کریم کا زبردست انعام ہے۔ ظفر اللہ پاکستان کے ایک گوہر نایاب ہیں۔"

(ہفت روزہ مسلم آواز کراچی، 15 جون 1952ء)

چوہدری صاحب نے قیام پاکستان سے قبل مسلمانان ہند کے سیاسی حقوق کے لئے جو جدوجہد کی اور خدمات سرانجام دیں اور قیام پاکستان کے بعد جس طرح آپ نے اقوام عالم میں پاکستان کا نام سربلند کیا اور مسئلہ فلسطین کو عالمی ادارہ یو۔این۔او۔ میں جس مہارت اور مدلل طور پر پیش کیا تو برصغیر پاک وہند اور عالم عرب نے آپ کی ان خدمات کو سراہتے ہوئے اپنے بچوں کا نام آپ کے نام پر ظفر اللہ رکھا۔ ع

کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

پاکستان کی ترقی میں مرکز احمدیت کا شاندار کردار

ملکی، دفاعی، علمی اور معاشرتی خدمات کی جھلک

مکرم پروفیسر سعود احمد خان صاحب

ربوہ جماعت احمدیہ کی فعالیت اور مرکزیت کا ایک منہ بولتا نشان ہے اور ایک منفرد شہر ہے۔ کہنے کو تو کہا جاتا ہے کہ بستی بستے بستے بستی ہے لیکن ربوہ تو اس طرح آباد ہو گیا کہ گویا یہ شہر ہمیشہ سے آباد تھا۔ اس میں شک نہیں کہ پاکستان بننے کے بعد یہاں کے شہروں اور قصبات میں بے پناہ تبدیلی آئی۔ اول تو جتنے ہندو اور سکھ یہاں سے گئے اس سے دگنے مسلمان ہندوستان سے آئے۔ نیز یہاں کی آبادی اموات کے مقابلہ میں پیدائش کی شرح زیادہ ہونے کے سبب بڑھتی رہی۔ لیکن ان اضافوں کے پیش نظر صنعتی شہر یا قصبات آباد کرنے کی بجائے پرانے شہروں اور قصبوں کی حدود کو بڑھا کر گنجائش پیدا کی گئی جو اس مسئلہ کا آسان حل تھا۔ چنانچہ ہر بڑے شہر کے ساتھ نئے محلے، سیٹلائٹ ٹاؤن کے نام سے بنائے گئے اور انہی شہروں کے نواحی قصبات میں فیکٹریاں کارخانے لگا کر ان کی شہری آبادی میں اضافہ کر دیا گیا۔ لیکن ربوہ کا بسایا جانا اس اعتبار سے ایک محیر العقول کارنامہ ہے کہ ایک لق و دق میدان میں جہاں میلوں کوئی شہری آبادی نہ تھی اور خود حکومت کے ریکارڈ میں یہ ایک وادی غیر ذی زرع تھی، زمین شور اور زیر زمین پانی نہایت کھاری جو پینا تو درکنار زراعت کے قابل بھی نہیں اور نہ نہانے دھونے کے لائق بغیر کسی فیکٹری یا کارخانہ لگائے ایک جدید طرز کا شہر معرض وجود میں آ گیا۔ بس جماعت کے امام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی کا عزم تھا کہ قادیان سے نکل کر اپنا ایک مرکز ضرور ہونا چاہئے جہاں سے اشاعت دین کی مہم میں رخنہ پڑے بغیر جماعتی تنظیم پھر اپنے محور کے گرد گھومنے لگے گویا اس طرح جماعت نہ کسی احساس محرومی کا شکار ہو اور نہ طبیعتوں میں انتشار کے رجحان کا احتمال پیدا ہو۔

جب اللہ تعالیٰ کے فضل و رحم کے ساتھ ضلع جھنگ میں دریائے چناب کے دائیں کنارے فیصل آباد (لائلپور) اور سرگودھا کے درمیان (جہاں بائیں کنارے چنیوٹ کا قصبہ آباد ہے) ایک قطعہ زمین 1034 ایکڑ حکومت پنجاب سے خرید لیا گیا تو 20 ستمبر 1948ء کو یہاں ایک مناسب جگہ بیت الذکر کے لئے منتخب کر کے عالمگیر جماعت احمدیہ کے نئے مرکز کا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے افتتاح فرمایا۔ اور اس کے بعد 7 نومبر کو آپ نے لاہور کے تمام اہم اخبارات اور نیوز ایجنسیوں کے نمائندوں کو خطاب کرتے ہوئے اس جگہ کی اہمیت بیان فرمائی۔ اگرچہ بظاہر یہ حکومت کے ریکارڈ میں ایک بنجر، بے آب و گیاہ زمین تھی جہاں آبادی کا قائم ہو جانا ایک امر محال نظر آتا تھا مگر دریا کے کنارے، پہاڑوں کے درمیان ایک میدان کا نظارہ آپ اس سے پہلے ایک خواب میں دیکھ چکے تھے۔ اگرچہ خواب والی زمین سرسبز و شاداب تھی جب کہ یہ قطعہ خشک سنگلاخ پہاڑوں کے درمیان ایک چٹیل میدان تھا۔ شاید اس طرح اللہ تعالیٰ نے کئی سال قبل اس کے جلد پھولنے اور پھلنے کا نظارہ آپ کو دکھایا تھا۔ اس پریس کانفرنس میں جس میں عبدالمجید سالک اور فیض احمد فیض، پروفیسر سرور اور سردار فضل جیسے نامور ادیب اور سینئر مدیران جرائد تھے اور میاں محمد شفیع (م۔ش) اور جمیل الزمان اور باری علیگ جیسے کہنہ مشق اخباری رپورٹر بھی تھے۔ آپ نے بتایا کہ اپنے گھروں سے خالی ہاتھ لٹے پٹے نکالے جانے پر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جانا کوئی مردانگی کا شیوہ نہیں بلکہ اس نئے وطن عزیز پاکستان کو خوشحال اور ترقی کی راہ پر گامزن کر کے دشمنوں کے ان عزائم کو خاک میں ملانا ہے جو پاکستان کو اول دن سے کمزور کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے اخبار احسان نے پاکستان میں ایک نئے امریکی طرز کے شہر کی تعمیر کئے جانے کی سرخی سے اس خبر کو شائع کیا جس میں عوام اور حکومت کو نئے شہر تعمیر کرنے کی تلقین کی گئی تھی۔ (تاریخ احمدیت جلد 13 صفحہ 54 تا 61)

پاکستان ٹائمز نے حضرت خلیفۃ المسیح کے بیان کے اس حصے کو نمایاں طور پر شائع کیا کہ ربوہ سے پندرہ میل کے فاصلے پر سات ہزار ایکڑ صنعتی علاقے کے لئے جہت موزوں ہے کیونکہ یہ جگہ دفاعی اعتبار سے بھی محفوظ ہے۔ (ایضاً)

اخبار سٹار نے ربوہ کے قیام کو جماعت احمدیہ کے بلند حوصلہ افزا عزائم قرار دیا۔ (ایضاً)

گویا اس کے نزدیک ربوہ کا قیام احمدیوں کے استحکام کے ساتھ خود پاکستانیوں خاص طور پر مہاجرین کے حوصلوں کو بلند کرنے والا تھا کہ مشکلات میں گھرے ہوئے لوگ دوسروں کی طرف امداد کے لئے نہیں دیکھا کرتے بلکہ پہلے سے بھی زیادہ زندہ رہنے کے عزم کے ساتھ مستعد ہو جایا کرتے ہیں۔

اس ضمن میں نہایت تجربہ کار معروف صحافی وقار انبالوی نے اپنے اخبار سفینہ 13 نومبر 1948ء کے شمارہ میں ربوہ کے قیام کو تمام پاکستانیوں کے لئے ایک نئے ولولہ کا پیغام قرار دیا اور لکھا کہ ایک مہاجر کی حیثیت سے ربوہ ایک سبق ہے۔ ساٹھ لاکھ مہاجرین پاکستان آئے لیکن اس طرح کہ وہاں سے بھی اجڑے اور یہاں بھی کسمپرسی نے انہیں منتشر رکھا۔ بڑی مصیبت بھی انہیں یکجا نہ کر سکی۔ اس کے برعکس احمدیوں کی اخوت اور دکھ سکھ میں ایک دوسرے کی حمایت نے ہماری آنکھوں کے سامنے نیا قادیان آباد کرنے کی ابتداء کر دی۔ مہاجرین میں وہ لوگ بھی آئے جن میں خدا کے فضل سے ایک ایک آدمی ایسی بستیاں بسا سکتا ہے۔ ان کا روپیہ ان کی ذات کے علاوہ کسی غریب مہاجر کے کام نہ آ سکا۔ ربوہ ایک اور نقطہ نظر سے بھی ہمارے لئے محل نظر ہے۔ وہ یہ کہ حکومت بھی اس سے سبق لے سکتی ہے اور مہاجرین کی صنعتی بستیاں اس نمونہ پر بسا سکتی ہے۔ اس طرح عوام و حکومت کے لئے ایک مثال ہے اور زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ لمبے چوڑے دعوے کرنے والے منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں اور عملی کام کرنے والے کوئی دعویٰ کئے بغیر کچھ کر کے دکھاتے ہیں۔ (ایضاً)

جہاں نئے مرکز کے قیام سے جماعت احمدیہ کو اپنے مشن اور مقاصد کے لئے زیادہ سے زیادہ مستعد کرنا تھا جس کے لئے عشق و محبت اور ایک دھن اور لگن کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعض لوگ دنیا کے عیش و آرام سے منہ موڑ لیا کرتے ہیں اور دنیا کے مقابلہ سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور راہب اور جوگی کہلاتے ہیں مگر دین نے دنیا کے اندر رہتے ہوئے دنیا کو شکست دینے کا گر سکھایا ہے۔ چناب کے کنارے سیالوں کی زمین ضلع جھنگ ایسی ہی عشق و وفا کی داستانوں کی زمین کہلاتی ہے اس لئے روایت ہے کہ رانجھا نے بھی ربوہ سے پندرہ میل کے فاصلے کی پہاڑیوں میں ایک جوگی سے یوگ لیا اور کانوں میں مندریاں پہن لی تھیں۔ ان جوگیوں کا بالناتھ کی پہاڑیوں پر سات سو سال قبضہ رہا تھا۔ اب مئے عشق الٰہی سے سرمست پاک دل صاف باطن اور نیک نیت حقیقی عاشق صادق نے ربوہ کی پہاڑیوں پر ڈیرا جمایا تا کہ حقیقی یوگ لوگوں میں تقسیم کرے۔ اسی روایاتی اہمیت کی مناسبت سے کسی احمدی شاعر نے اپنی ایک نظم میں یہ مطلع کا شعر کہا ؎

عرفان کی بارش ہوتی ہے دن رات ہمارے ربوہ میں
اک مرد قلندر رہتا ہے دریا کے کنارے ربوہ میں

اسی طرح ایک تاریخی اہمیت بھی اس زمین سے وابستہ ہے کہ اس کے شوق و جذبہ کو پھر سے زندہ رکھنا مفید اور ضروری ہے اور وہ یہ کہ چنیوٹ اور یہاں سے چناب کے پار دوسرے کنارے پر میدان جو اب ربوہ کہلاتا ہے محمد بن قاسم کی گزرگاہ تھی۔ جب اس نے ملتان کی فتح کے بعد کشمیر کی طرف پیش قدمی کی تھی۔

ڈاکٹر عبدالحمید خان پاکستان نیوی نے اپنی کتاب ''محمد بن قاسم پاکستان میں'' لکھا ہے:

''عرب فوج کا کشمیر جانے کا راستہ ملتان سے تلنبہ ہیر، شورکوٹ جو ضلع جھنگ میں آباد ہے پھر کوٹ کمالیہ کی طرف تھا جو ضلع لائلپور (آج کا فیصل آباد) کا مشہور قصبہ ہے۔ اس کے بعد مشہور جگہ جو عرب فوج کے راستہ میں پڑی وہ چندر روڈ ہے جو ہر عرب نقشہ میں درج ہے اور جو میرے خیال میں چنیوٹ کا مشہور شہر ہے......... جس وقت عرب فوج نے اس پر حملہ کیا تو ایک ہندو راجہ یہاں حکمران تھا......... عرب فوج کے قریباً سو سپاہی چنیوٹ کو فتح کرنے میں کام آئے۔ ان شہیدوں کا قبرستان اب چنیوٹ کے باہر موجود ہے......... اس شہر چنیوٹ کے قریب سندھ سے کشمیر جانے والے مسافر دریائے چناب کو عبور کرتے تھے کیونکہ چنیوٹ سے کشمیر جانے کے لئے راستہ بالکل سیدھا تھا جو بیچ مہات یا جہلم سے گزرتا تھا اس لئے عرب جرنیل محمد بن قاسم چنیوٹ سے جہلم اور پھر کشمیر گیا'' (صفحہ 22,21)

ایک تاریخی روایت کے مطابق پنجاب کے راجہ جے پال کا ایک نواسہ سکھ پال مسلمان ہو گیا تھا۔ مسلم مورخین نے اس کا ذکر نواب شاہ کے نام سے کیا ہے۔ 1005ء میں محمود نے اس کو برصغیر میں اپنا نائب مقرر کر کے بھیرہ کی حکمرانی اس کو تفویض کی اور ملتان کے مسلمان ابوالفتح داؤد کا نگران بھی مقرر کر دیا کیونکہ ابوالفتح نے 1003ء میں بھاٹیہ (بھیرہ) کے راجہ کی بغاوت میں اس کا ساتھ دیا تھا۔ جب محمود کاشغر کے علاقہ میں مصروف پیکار تھا۔ نواسہ شاہ نے ملتان سے بھیرہ پہنچ کر اپنے ماموں انند پال کے اکسانے پر دوسرے ہندو راجاؤں کو اپنے ساتھ ملا کر بغاوت کا اعلان کر دیا۔ محمود 1006ء میں جلد واپس آیا اور نواسہ شاہ سے جو معرکہ پیش آیا وہ دریائے چناب کے کنارے اسی میدان میں ہوا۔ نواسہ شاہ کو شکست ہوئی اور اس دفعہ محمود اس کو اپنے ساتھ غزنی لے گیا جہاں اس نے محمود کی قید میں وفات پائی۔ محمود کے کافی سپاہی اس معرکہ میں شہید ہوئے وہ بھی یہیں دفن ہوئے اس لئے یہاں کی پرانی قبروں کو شہداء کا قبرستان کہا جاتا تھا۔ یہ بات میرے استاد محترم پروفیسر تاریخ پنجاب یونیورسٹی شمس الدین مرحوم پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور نے مجھ کو بتائی تھی۔

گویا سرزمین ربوہ میں پاکستانی قومی جذبہ کو ابھارنے کے لئے بہت کچھ تاریخی مواد موجود ہے۔ اور یہ بھی ایک حسن اتفاق ہے کہ بیسویں صدی عیسوی میں تقریباً ہزار سال بعد پھر ایک فاتح الدین، محمود کے ہاتھوں اشاعت دین اور دفاع وطن کے جذبہ کے فروغ کے لئے تنظیم نو کا آغاز ہوا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحم کے ساتھ جب بھی پاکستان کے دشمن کا عسکری لحاظ سے مقابلہ کی ضرورت پڑی احمدی بھی کسی صورت میں کسی سے کم نہیں رہے اور بڑھ چڑھ کر جان و مال اور دیگر ہر طرح کی قربانی

نئی زریں مثالیں قائم کر دیں۔ افواج پاکستان میں احمدی افسران اور نوجوانوں کے علاوہ فرقان فورس قائم کر کے جہاں تمام پاکستانی جماعتوں سے احمدی رضا کاروں نے کشمیر میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ وہاں 1965ء کی جنگ کے بعد جب حکومت نے علاقائی رضا کاروں کی مجاہد فورس قائم کی، گویا حضرت صاحب کی نصیحت کا احساس حکومت کو بھی ہوا۔ تو چنیوٹ تحصیل کی چار کمپنیوں میں ایک کمپنی ربوہ کے نام کی جس کے 130 رضا کاروں میں بھاری اکثریت میں احمدی نوجوانوں نے اپنی خدمات پیش کیں۔ احمد نگر کمپنی میں بھی احمدی نوجوان نمایاں تھے۔ دوسری کمپنیوں کے برعکس ربوہ کمپنی میں نہایت اعلیٰ تعلیم یافتہ گریجویٹ اور جامعہ احمدیہ کے فاضل احمدی نوجوان بھی شامل تھے جو آج کل جماعت احمدیہ میں اعلیٰ ذمہ دار حیثیت سے خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اس کمپنی کے کمانڈر محترم قاسم خان صاحب نائب، ناظر بیت المال خرچ تھے۔ ٹریننگ کے دوران اس کمپنی کی کارکردگی اتنی اعلیٰ تھی کہ اجتماعی مقابلوں میں یہ کمپنی ہمیشہ اعلیٰ اور نمایاں پوزیشن کی حامل قرار پائی۔

1971ء کی جنگ میں ربوہ چناب کے پل کے علاوہ جہلم کے خوشاب کے پل کی حفاظت کی ڈیوٹی اسی کے سپرد تھی۔ جس کے پاس سکیسر کے راڈار کی وجہ سے وہ بہت اہم مقام شمار ہوتا تھا۔ چناب کے پل پر جن مجاہدین کو شہادت کا شرف حاصل ہوا ان میں ربوہ کے ایک نوجوان مبارک احمد صاحب مرحوم بھی شامل تھے جن کا نام نامی دیگر شہداء کے ساتھ دریا کے ربوہ والے کنارے پر یادگار تختی پر کندہ ہے۔ فیصل آباد سنٹرل جیل پر بھی ربوہ کمپنی کے جوان تعینات ہوئے جو اس اعتبار سے بڑی اہم ڈیوٹی تھی کہ وہاں بنگالی فوجی اس وقت تک رکھے گئے جب تک جنگ ختم نہ ہوئی جس کے بعد ان کو بنگلہ دیش بھیج دیا گیا۔ مجاہد فورس کی اجتماعی پریڈ منعقدہ کھاریاں میں بھی ربوہ کمپنی کے کمانڈر کو ہی Lead کرنے کے لئے منتخب کیا گیا۔ 1972ء میں جب ایک صوبائی وزیر کسی حکومتی تقریب میں تشریف لائے تو اس میں فوجی سلامی کو بھی پروگرام میں رکھا گیا لیکن سرگودھا کی فوجی یونٹ نے وقت کی قلت کی وجہ سے سکواڈ بھیجنے سے معذوری ظاہر کی ساتھ ہی وہاں کے میجر صاحب نے کہا کہ میں تمہاری ضرورت پوری کر سکتا ہوں اور قاسم خان کو پیغام بھیجا کہ اپنی کمپنی کے جوانوں کو کل کی سلامی کی پریڈ کے لئے تیار کرو۔ چنانچہ اتنے شارٹ نوٹس پر اس کمپنی نے اتنا شاندار مظاہرہ کیا کہ دیکھنے والے عش عش کر اٹھے دوسرے دن پاکستان ٹائمز نے پہلے صفحہ پر سلامی کی تصویر کو نمایاں کر کے شائع کیا۔

ربوہ کے آباد ہو جانے سے قبل جھنگ کا ضلع پنجاب کا پسماندہ علاقہ سمجھا جاتا تھا لیکن اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے کم از کم ربوہ کی وجہ سے ماحول میں ایک عظیم تبدیلی دکھائی دیتی ہے۔ ربوہ ایک لمبے عرصہ تک لالیاں تھانہ کی ایک چوکی کا قصبہ سمجھا جاتا تھا لیکن یہاں کی آبادی کا مزاج علمی سطح، رہن سہن، معیشت اور معاشرت کسی صورت میں کسی شہری زندگی سے کم نہ رہا اور ربوہ کے اس تمدنی معیار کا اثر اس کے ماحول اور دیہات کی اقتصادی اور معاشرتی خوشحالی پر پڑا ہے۔ یہاں کے بے شمار نوجوان ربوہ کے سکولوں اور کالجوں میں تعلیم پا کر ملک کی فوجی خدمات اور سول انتظامیہ میں اعلیٰ مناصب بھی ادا کرنے کے قابل ہو گئے۔ اور تعلیمی شوق اتنا بڑھا کہ پہلے چنیوٹ میں لڑکے اور لڑکیوں کے کالج قائم ہوئے اور اب لالیاں میں بھی انٹر کالج کھل گیا۔ اور بعض دیہات میں بھی ہائی سکول کا درجہ ہائر سیکنڈری تک بڑھایا گیا۔ جدید زندگی کی بہت سی سہولیات کیلئے یہاں کے دیہات کے لوگوں کو سرگودھا اور فیصل آباد جانے کی ضرورت پیش نہیں آتی کیونکہ سب ضرورت کی چیزیں یہاں مہیا ہو جاتی ہیں۔ اور بعض دیہاتی پیداوار کو دور لے جا کر فروخت کرنے کی صعوبت سے بچ گئے کیونکہ اس کی کھپت ربوہ میں بڑھتی جا رہی ہے جو یہاں کے دیہات کی اقتصادی خوشحالی میں اضافہ کا باعث ہے۔

کھیلوں اور جسمانی صحت کے فروغ میں تمام ملک میں ربوہ نے اپنا کردار ادا کیا۔ چنانچہ باسکٹ بال تو گویا یہاں ایک خصوصی کھیل بن گیا اور یہاں کے نوجوانوں نے نہ صرف قومی سطح پر پاکستان کی ٹیم میں بیرون ملک جا کر وطن عزیز کی نمائندگی کی بلکہ باسکٹ بال کی ملکی انتظامیہ نے میزبانی کے فرائض ادا کرتے ہوئے غالباً ملک میں پہلی بار کسی کھیل کے لئے فلڈ لائٹس میں کھیلے جانے کے انتظامات کئے۔ اس طرح کل پاکستان کبڈی ٹورنامنٹ بھی منعقد ہوئے اور گھڑ دوڑ کے مقابلوں کا بھی نہایت خوش اسلوبی سے اہتمام ہوتا رہا۔ اور سب سے نمایاں پہلو ان مقابلہ جات میں یہ تھا کہ کبھی امن وامان کا کوئی مسئلہ پیدا نہ ہوا۔ اتنے پر امن ماحول میں شاید ہی پاکستان میں کوئی میلہ یا تفریحی اجتماع ہوا ہو گا کیونکہ اہل ربوہ کو اس پر امن زندگی کا تجربہ تو اب اپنے سالانہ جلسوں کے انعقاد کے ذریعہ ایک صدی کے لمبے عرصہ تک محیط ہے۔ جب کہ ربوہ کے آخری جلسوں میں تو لاکھوں انسان شرکت کرتے رہے۔

کھیلوں کے ضمن میں تعلیم الاسلام کالج کشتی رانی کے مقابلہ میں ہمیشہ نمایاں حیثیت کا حامل رہا ہے اور لگاتار کئی سال تک اس کی ٹرافی جیتتا رہا ہے۔

کالج کے حسن کارکردگی، علمی واخلاقی ماحول کے بارے میں ملک کے ارباب بسط وکشاد اور دانشور یہاں جلسہ تقسیم اسناد میں اپنے تاثرات کا جو اظہار کرتے رہے ان میں سے بعض نمونہ کے طور پر حسب ذیل ہیں:

پروفیسر سراج الدین صاحب سیکرٹری محکمہ تعلیم پنجاب فرماتے ہیں:

"جب میں اس کالج پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے انگلستان اور امریکہ میں علم کی ترویج کے فروغ کے متعلق انسانوں میں وہ عظیم محسن یاد آئے بغیر نہیں رہتے جنہوں نے خدمت کی نیت سے آکسفورڈ کیمبرج اور ہارورڈ میں کالج قائم کئے۔ خالصۃً ذاتی عزم وہمت

کے بل بوتے پر ربوہ میں ایک ایسی درسگاہ قائم کر رکھا ہے ایک عظیم کارنامہ ہے۔ ایک ایسے پرائیویٹ ادارے کو دیکھ کر جو باہمی مخاصمت اور ایک دوسرے کے خلاف سازشوں سے پاک ہو اور جس کی تمام تر کوششیں اعلیٰ تر مقاصد کے حصول کے لئے وقف ہوں استعجاب اور رشک کے جذبات کا ابھرنا ناقدرتی امر ہے۔ آپ کے امام جماعت (حضرت خلیفۃ المسیح الثانی۔ناقل) کو علم اور اس کی ترویج سے جو محبت ہے آپ کے پرنسپل صاحب (حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث۔ناقل) اور ممبران سٹاف ایسے ماہرین تعلیم بھی اس میں حصہ دار ہیں"۔

(المنار جلد 12 شمارہ 2 اور 3 صفحات 6,5 بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 10 صفحہ 150 تا 158)

جسٹس انوار الحق نے جو بعد میں سپریم کورٹ پاکستان کے چیف جسٹس کے عہدے سے ریٹائر ہوئے تھے کہا:

"آج آپ کے ادارے میں آ کر میری اپنی طالب علمی کا دور میری آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ آکسفورڈ جیسی فضا دیکھ کر میرے دل میں پرانی یادیں تازہ ہو گئی ہیں۔ (کالج کے پرنسپل حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث اور جسٹس انوار الحق دونوں آکسفورڈ کے تعلیم یافتہ تھے۔ناقل) اور میں سوچ رہا ہوں کہ آپ لوگ خوش قسمت ہیں کہ آپ کو مثالی تعلیمی اور تربیتی ماحول میسر ہے جہاں دوسری جگہوں کی مضرت انگیز مصروفیات ناپید ہیں"۔

(الفضل 8 دسمبر 1962 بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 10 صفحہ 160)

ڈاکٹر ظفر علی ہاشمی وائس چانسلر زرعی یونیورسٹی لیصل آباد نے فرمایا:

"آپ لوگ اپنی قومی زبان کی جو خدمت کر رہے ہیں وہ ہر لحاظ سے قابل تحسین وقابل ستائش ہے"۔

(المنار کالج میگزین اکتوبر تا دسمبر 1963۔ بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 14 صفحہ 161)

جناب عبدالحمید صاحب دستی وزیر تعلیم مغربی پاکستان نے اپنے خطبہ تقسیم اسناد میں فرمایا:

"تعلیم الاسلام کالج کی (۔) روایات قابل تقلید وستائش ہیں۔ پرنسپل میاں ناصر احمد کی مساعی ادارے کی ہر نوع میں تعمیر کے متعلق مبارکباد کی مستحق ہیں...... ادارے کے معائنے سے مجھے اطمینان اور راحت نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس درسگاہ کو برکت عطا فرمائے"۔

(تاریخ احمدیت جلد 14 صفحہ 162)

یہی بات تعلیم نسواں سے متعلق ہے کہ نصرت ہائی سکول، گرلز کالج کھل جانے سے ربوہ کا ماحول تعلیم نسواں کی اہمیت سے آگاہ ہوا اور جہاں عورتیں ناظرہ قرآن مجید سے بھی مشرف نہ تھیں اب نصرت گرلز کالج سے بی اے کرنے کے بعد تعلیم الاسلام کالج میں ایم اے عربی کی ڈگری یافتہ ہو گئیں اور خود عالمہ فاضلہ ہو گئی ہیں۔

پاکستان میں کبھی ہر سال کبھی کچھ دیر کے وقفوں سے بعض قدرتی آفات سیلاب وغیرہ آتے رہتے ہیں۔ جماعت احمدیہ اپنے بانی حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود کے ارشاد پر کاربند رہتے ہوئے خدمت خلق کے فریضہ کو ادا کرنے کی کوشش اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کرتی رہتی ہے۔ آپ نے فرمایا تھا۔

مرا مقصود و مطلوب و تمنا خدمت خلق است
ہمیں کارم ہمیں بارم ہمیں رسم ہمیں راہم

یعنی دنیوی معاملات میں میرا مقصود اور مطلوب اور تمنا خدمت خلق ہے۔ یہی میرا کام ہے یہی میری ذمہ داری ہے یہی میری زندگی کا طریق ہے اور یہی میرا راستہ ہے۔ یہ تو ایک بڑی داستان ہے کہ ہر سال ربوہ کے احمدی کس طرح اپنے ماحول اور پاکستان کے دوسرے علاقوں میں اس فریضہ کو کیسے ادا کرتے رہے۔ یہاں کا فضل عمر ہسپتال تمام علاقے کا جدید ترین ہسپتال ہے جس میں ہر قسم کے آپریشن بخوبی کیے جاتے ہیں۔ نیز مجلس خدام الاحمدیہ کے تحت یہاں ڈاکٹر حضرات ربوہ کے ماحول میں میڈیکل کیمپ لگاتے رہتے ہیں۔ سارے ملک میں احمدی نوجوان ایسے مواقع پر اپنا اپنا فرض ادا کرتے ہیں۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ اس میں مرکز ربوہ کی قیادت کی راہنمائی ان کے جذبہ کو ابھارنے میں مہمیز کا کام دیتی ہے۔ چنانچہ جب 1955ء کے سیلاب میں مجلس خدام الاحمدیہ نے حکومت کی اپیل پر خدمت خلق میں حکومت کا ہاتھ بٹانے کا تار اس وقت کے وزیراعظم کی خدمت میں ارسال کیا تو کیبنٹ کے جائنٹ سیکرٹری کے ذریعہ سے انہوں نے اس کا یہ جواب دیا۔

کراچی۔18 راکتوبر 1955ء

مجھے عزت مآب وزیراعظم نے ہدایت فرمائی ہے کہ میں آپ کی تار مورخہ 12 راکتوبر کا شکریہ ادا کروں۔ احمدی نوجوانوں کے اس جذبہ کو وزیراعظم نے بہت سراہا ہے جس کی وجہ سے انہوں نے سیلاب زدگان کی خدمت کا بیڑا اٹھایا ہے۔

اے اے احمد جائنٹ سیکرٹری کیبنٹ

(تاریخ احمدیت جلد 18 صفحہ 51)

اسی طرح ایک تار مرکزی مجلس خدام الاحمدیہ ربوہ کے نام گورنر پنجاب کی جانب سے موصول ہوا:

گورنمنٹ ہاؤس لاہور 17 راکتوبر 1955ء
نمبر 85405

"عزت مآب گورنر پنجاب نے مجھے ہدایت فرمائی ہے کہ میں آپ کی تار مورخہ 12 راکتوبر کا جواب دوں اور جماعت احمدیہ کی ان محب وطن کوششوں کا شکریہ ادا کروں جو انہوں نے سیلاب زدگان کے دکھ درد کے دور کرنے کے لئے شروع کی ہیں۔

پرائیویٹ سیکرٹری ہز ایکسی لینسی گورنر پنجاب

(ایضاً صفحہ 52,51)

ڈپٹی چیف آرگنائزر ریڈ کراس (ہلال احمر) سوسائٹی نارنگ کیمپ نے مجلس ربوہ کی خدمات پر

باقی صفحہ 13 پر

قیام پاکستان میں احمدی خواتین کا مثالی کردار اور قربانیاں

اس معرکہ میں احمدی خواتین کی قربانیاں چاند تاروں کی طرح جگمگاتی رہیں گی

مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد مؤرخ احمدیت

قیام پاکستان کے معرکہ میں خواتین احمدیت کی قربانیاں اور کارنامے ناقابل فراموش ہیں جو چاند ستاروں کی طرح ہمیشہ افق سیاست پر جگمگاتے رہیں گے نمونۃً صرف دو واقعات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

1946ء کے صوبائی انتخابات میں والہانہ جوش وخروش سے نمایاں حصہ

صوبائی مجالس آئین ساز کا انتخاب فروری 1946ء منزل پاکستان کو قریب تر لانے کا مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں مسلم لیگ کی سو فی صدی کامیابی کے بعد دوسرا فیصلہ کن زینہ تھا جس سے پاکستان کے نقشہ عالم پر ابھرنے کے امکان یقینی نظر آنے لگے۔ اس نازک ترین موقع پر خواتین احمدیت نے اپنی بے مثال تنظیم، بے نفسی، اخلاص اور ایثار کا ایک بے نظیر نمونہ دکھایا جس کی تفصیل حضرت مصلح موعود نے 8 فروری 1946ء کے خطبہ جمعہ میں ولولہ انگیز انداز میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

''جو روح ہماری عورتوں نے دکھائی ہے اگر وہی روح ہمارے مردوں کے اندر کام کرنے لگ جائے تو ہمارا غلبہ سو سال پہلے آجائے۔ اگر مردوں میں بھی وہی دیوانگی اور وہی جنون پیدا ہو جائے جس کا عورتوں نے اس موقع پر مظاہرہ کیا ہے تو ہماری فتح کا دن بہت قریب آجائے۔ عورتوں نے اس دیوانگی سے کام کیا ہے کہ ان میں سے بعض کی شکلیں تک پہچانی نہیں جاتیں۔ انہوں نے کھانے کی پرواہ نہیں کی۔ انہوں نے آرام کی پرواہ نہیں کی اور ایسی محنت سے کام کیا ہے کہ میں سمجھتا ہوں ان میں سے کسی کا تین سیر، کسی کا چار سیر، کسی کا پانچ سیر وزن کم ہو گیا ہے مگر مردوں نے عورتوں کے مقابلہ پر بہت کم کام کیا ہے۔''

''جو قربانی عورتوں نے کی اس کا بھی دیکھنے والوں اور فریق مخالف کے نمائندوں اور پولنگ آفیسر پر بہت ہی گہرا اثر پڑا ہے۔ جو عورتیں پولنگ آفیسر کی امداد کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے آئی تھیں وہ اس قدر متاثر ہوئیں کہ ان کے یہ الفاظ تھے کہ ہم نہیں سمجھ سکتیں کہ یہ جماعت کیسی ہے اور اس میں قربانی کی یہ روح کیسے پیدا ہو گئی ہے۔ بعض عورتیں ایسی حالت میں ووٹ دینے کے لئے آئیں کہ ان کو بچہ ہونے والا تھا اور دردزہ شروع تھا۔ بعض ایسی تکلیف کی حالت میں آئیں کہ ووٹ دیتے ہی وہ بیہوش ہو گئیں۔ بعض ایسی تھیں کہ ان کو بچہ ہوئے صرف بارہ گھنٹے گزرے تھے کہ وہ اس حالت میں سٹریچر پر لیٹ کر ووٹ دینے کے لئے آگئیں۔ ایک واقعہ ہو تو انسان اسے نظر انداز کر سکتا ہے مگر یہاں تو ایک درجن سے زائد ایسی عورتیں تھیں کہ بعض کو دردزہ لگی ہوئی تھی اور ووٹ دینے کے لئے آگئیں اور بعض ایسی تھیں کہ ان کو بچہ ہوئے چند گھنٹے گزرے تھے اور وہ ووٹ دینے کے لئے آگئیں۔ اور بعض عورتیں ایسی حالت میں ووٹ دینے کے لئے آئیں کہ وہ بیٹھ ہی نہ سکتی تھیں ان کو ڈولی میں لایا گیا۔ اور ایک رشتہ دار نے دائیں طرف سے اور دوسرے نے بائیں طرف سے ان کو پکڑا ہوا تھا کہ کہیں گر نہ پڑیں۔ ایک درجن سے زیادہ مثالیں اس قربانی کی موجود ہیں۔ اور اس قربانی کا اس قدر اثر تھا کہ وہ عورتیں جو مخالف پارٹی کی طرف سے بطور ایجنٹ کے تھیں وہ بھی عورتوں کی اس قربانی پر حیرت کا اظہار کر رہی تھیں...... **عورتوں نے الیکشن میں قربانی کرکے ثابت کر دیا ہے کہ وہ اس بات کی مستحق ہیں کہ ان کے اس ذکر کو ہمیشہ تازہ رکھا جائے اور بار بار اس واقعہ کو جماعت کے سامنے لایا جائے۔ انہوں نے بے نظیر قربانیوں اور نہایت اعلیٰ درجہ کی جان نثاری کا ثبوت دے کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ مردوں سے قومی کاموں میں آگے نکل گئی ہیں۔''**

(الفضل 15 فروری 1946ء)

قیام پاکستان کے معاً بعد جب دفاع پاکستان کا مرحلہ شروع ہوا تو بعض احمدی مستورات نے شجاعت و بسالت کے ایسے عظیم کارنامے دکھائے کہ حضرت مصلح موعود نے خراج تحسین دیتے ہوئے فرمایا۔

''تم میں سے بعض عورتیں ایسی عورتیں ہیں جنہوں نے نہایت ہی اعلیٰ درجے کا نمونہ دکھایا ہے۔ اگر وہ ان پڑھ، جاہل اور غریب عورتیں ایسا اچھا نمونہ دکھا سکتی ہیں تو آسودہ حال اور پڑھی لکھی عورتیں کیوں ایسا نمونہ نہیں دکھا سکتیں۔ ایک جگہ رنگروٹ بھرتی کرنے کے لئے ہمارے آدمی گئے۔ انہوں نے جلسہ کیا۔ اور تحریک کی کہ پاکستانی فوج میں شامل ہونے کے لئے لوگ اپنے نام لکھوائیں۔ جن قوموں میں لڑائی کی عادت نہیں ہوتی۔ اس کے افراد ایسے موقع پر عموماً اپنا نام لکھوانے سے ہچکچاتے ہیں۔ چنانچہ اس موقعہ پر بھی ایسا ہی ہوا۔ تحریک کی گئی کہ لوگ اپنے نام لکھوائیں۔ مگر چاروں طرف خاموشی طاری رہی۔ اور کوئی شخص اپنا نام لکھوانے کے لئے نہ اٹھا۔ تب ایک بیوہ عورت جس کا ایک ہی بیٹا تھا اور جو پڑھی ہوئی بھی نہیں تھی۔ اس نے جب دیکھا کہ بار بار احمدی (۔) نے کھڑے ہو کر تحریک کی ہے کہ لوگ اپنے نام لکھوائیں۔ مگر ہچکچانے کی وجہ سے آگے نہیں بڑھتے۔ تو وہ عورتوں کی جگہ سے کھڑی ہوئی۔ اور اس نے اپنے لڑکے کو آواز دے کر کہا:۔

''او فلانے تو بولتا کیوں نہیں۔ تو نے سنا نہیں کہ خلیفۂ وقت کی طرف سے تمہیں جنگ کے لئے بلایا جا رہا ہے۔''

اس پر وہ فوراً اٹھا اور اس نے اپنا نام جنگ پر جانے کے لئے پیش کر دیا۔ تب اس کو دیکھ کر اور لوگوں کے دلوں میں بھی جوش پیدا ہوا۔ اور انہوں نے بھی اپنے نام لکھوانے شروع کر دیئے۔

اور جب یہ اطلاع میرے پاس پہنچی اور خط میں میں نے یہ واقعہ پڑھا۔ تو پیشتر اس کے کہ میں اس خط کو بند کرتا۔ میں نے خدا تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے کہا:۔

''اے میرے رب! یہ بیوہ عورت اپنے اکلوتے بیٹے کو تیرے دین کی خدمت کے لئے یا مسلمانوں کے ملک کی حفاظت کے لئے پیش کر رہی ہے۔ اے میرے رب! اس بیوہ عورت سے زیادہ قربانی کرنا میرا فرض ہے۔ میں بھی تجھ کو تیرے جلال کا واسطہ دے کر تجھ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ اگر انسانی قربانی کی ہی ضرورت ہو تو اے میرے رب! اس کا بیٹا نہیں۔ بلکہ میرا بیٹا مارا جائے۔''

اسی طرح ایک جگہ ہمارے آدمی گئے۔ تو ایک اور عورت کہ وہ بھی زمیندار طبقہ میں سے نہیں تھی۔ بلکہ ان لوگوں میں سے تھی جنہیں زمیندار حقارت کے ساتھ ''کمیں'' کہا کرتے ہیں۔ اس نے بھی اپنی قربانی کا نہایت شاندار نمونہ دکھایا۔ اس کے دو بیٹے اور دو پوتے تھے، جب ہمارے آدمی گئے۔ اور انہوں نے بتایا کہ پاکستان کی حفاظت کے لئے فوج میں بھرتی ہونا چاہئے۔ تم بھی اپنی اولاد میں سے کسی کو پیش کرو۔ تاکہ اسے فوج میں بھجوایا جائے۔ تو اس وقت باہر کھڑی کام کر رہی تھی اس نے وہیں سے کھڑے کھڑے اپنے چاروں لڑکوں اور پوتوں کو آواز دی اور ہمارے (۔) سے کہا۔ یہ میرے دو لڑکے اور دو پوتے ہیں۔ ان چاروں کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ پھر اس نے اپنے لڑکوں اور پوتوں سے کہا:۔

''دیکھو! میں گھر میں نہیں گھسوں گی جب تک تم یہاں سے چلے نہ جاؤ۔''

جب ہمارے آدمی نے کہا کہ اس وقت چاروں کی ضرورت نہیں بلکہ صرف ایک نوجوان چاہئے۔ تو اس نے کہا۔ میں تو چاروں بھجوانے کے لئے تیار ہوں۔ آخر اصرار کرکے اس نے کہا۔ دو تو لیجاؤ۔ چنانچہ ایک کی بجائے اس نے دو نوجوان پیش کئے اور وہ خوشی خوشی چلے گئے۔

یہ وہ روح تھی جو حقیقی روح ہوتی ہے اور جس کے ذریعہ سے دنیا میں قومیں بڑھا کرتی ہیں۔ وہ دن گئے جب انگریز اس ملک کے حاکم تھے۔ اس وقت جب کوئی حملہ کرتا۔ تو ہم انگریزوں سے کہہ سکتے تھے کہ تم جاؤ اور مقابلہ کرو۔ کیونکہ یہ تمہارا ملک ہے اور ہمارا نہیں۔ **مگر اب یہ ہمارا ملک ہے۔**

(''الازہار لذوات الخمار'' طبع اول ربوہ حصہ دوم صفحہ 72-73 مرتبہ حضرت ام متین صاحبہ)

شہادت گاہ گڑھ مکتیشر

پاکستان کے اولین مورخ جناب سید رئیس احمد صاحب جعفری نے اپنی کتاب ''قائداعظم اور ان کا عہد'' کے صفحہ 913-914 (مطبوعہ مقبول اکیڈیمی لاہور) میں مندرجہ بالا عنوان کے زیر عنوان حضرت شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر نور قادیان (سابق سورن سنگھ) کے لخت جگر ڈاکٹر ہارون الرشید ہیلتھ افسر اور ان کی ستم رسیدہ اور مظلوم بیگم کا تذکرہ درج ذیل دردانگیز اور لرزا دینے والے الفاظ میں فرمایا ہے:۔

ادھر تو بہار میں یہ سب کچھ ہو رہا تھا۔ ادھر بنگال کے پڑوسی صوبہ بہار کی آگ بہار کے پڑوسی صوبہ یو۔ پی۔ میں پھیل رہی تھی۔ وہاں یوم نواکھالی تو کچھ زیادہ شدومد کے ساتھ نہیں منایا گیا لیکن یوم نواکھالی کے خفیہ

پروگرام پر اعلانیہ عمل درآمد بڑی کامیابی سے ہوا۔

یو۔پی میں گڑھ مکتیشر ایک چھوٹی سی بستی میرٹھ کے قریب ہے جہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے۔ ہر سال اشنان کے موقع پر بالعموم اور کبھ کے میلہ پر بالخصوص یہاں لاکھوں یاتریوں کا اجتماع ہوتا ہے۔ اس میلہ میں دہلی، میرٹھ وغیرہ کے مسلمان تاجر سامان تجارت لے کر پہنچتے ہیں اور خود گڑھ مکتیشر کے مسلمان بھی اس میں شریک ہوتے ہیں۔ اس سال بھی یہی ہوا۔

نومبر 46ء میں یہ میلہ ہوا اور لاکھوں کا یہ ہجوم دفعتہً چند سو مسلمانوں پر وحشی درندوں کی طرح ٹوٹ پڑا۔

اس فساد کی خصوصیت بھی یہی تھی کہ اس میں مرد ہی نہیں مارے گئے عورتیں بھی ماری گئیں۔ ان کی آبروریزی کی گئی۔ انہیں اغوا کیا گیا۔ انہیں فروخت کر دیا گیا۔

ڈاکٹر ہارون الرشید جو محکمہ صحت کے انچارج تھے بے دردی سے قتل کر دیئے گئے۔ ان کی اہلیہ محترمہ کے کپڑے اتار دیئے گئے اور مجمع میں سے کسی ایک شخص کو بہ حیثیت شوہر منتخب کر لینے کا حکم دیا گیا۔ انہوں نے انکار کیا تو انہیں مارتے مارتے ادھ موا کر دیا گیا۔ یہ واقعہ دریا کے کنارے پیش آیا تھا۔ ان کی سمجھ میں کچھ اور تو نہ آیا وہ دریا میں کود پڑیں اور نیم بیہوش حالت میں بہت دور جا کر نکلیں۔ ایک آدمی نے انہیں دیکھ لیا۔ وہ ان کی بہتی ہوئی لاش کو گھسیٹتا ہوا کنارے لایا۔ کچھ رمق زندگی کی باقی تھی۔ علاج معالجے سے اچھی ہو گئیں۔ اب اپنے وطن لاہور میں ہیں۔

گڑھ مکتیشر کے شہیدوں کی بے گوروکفن لاشیں کئی دن تک شارع عام پر پڑی سڑتی رہیں۔ کوئی ان کی نماز جنازہ پڑھنے والا، انہیں دفن کرنے والا بھی نہ تھا۔ آہ!

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را!!

جو عورتیں اور لڑکیاں اس ہجوم نے اغوا کیں ان کا آج تک پتہ نہیں چلا۔ حکومت کی کوششیں اس سلسلہ میں اب تک کامیاب نہیں ہو سکیں۔

گڑھ مکتیشر کے ہولناک اور مہیب حوادث کی شدت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وزیر اعظم اور ہوم ممبر قدوائی نے ایک مشترک بیان میں اقرار کیا کہ "اس حادثہ نے ہماری گردنیں شرم سے جھکا دی ہیں۔"

شاعر پاکستان جناب اعجاز رحمانی جیسے تاجدار سخن فرماتے ہیں:

ہم نے جس گلشن کی خاطر اپنا سب کچھ وار دیا
آج چمن کے رہنے والے غیر ہمیں کو کہتے ہیں
ہم نے ویرانوں کو بسایا شہر نئے تخلیق کیے
اس جرم تعمیر پہ اب تک رنج و مصائب سہتے ہیں
کتنی ہیں کٹ جائیں زبانیں جاتے ہیں تو سر جائیں
ہم پاگل، دیوانے، وحشی کچی باتیں کہتے ہیں

(جدید اردو کا انسائیکلو پیڈیا۔ مرتب جناب شہزاد محمود۔ ناشر نگارشات۔ میاں چیمبرز ٹمپل روڈ لاہور ص 151)

بقیہ صفحہ 11

اظہار تحسین ان الفاظ میں تحریر فرمایا:

"خدام الاحمدیہ ربوہ کی ایک امدادی پارٹی نے جو کہ 1955ء کے سیلاب کے سلسلہ میں .... کام کرتی ہے .... حد درجہ مفید خدمت سرانجام دی ہے۔ خدام الاحمدیہ کے یہ رضاکار سیلاب زدگان کی امداد کی غرض سے ایک ایک بستی میں ہی نہیں۔ بستی کے ایک ایک دروازہ تک پہنچے اور انہوں نے ستم رسیدہ انسانوں کو بچانے میں جان کی بازی لگا دی .... لائق صد تحسین اور مبارکباد ہیں کہ وہ حقیقی مجاہد ہیں ...... میں اپنی طرف سے اور ریڈ کراس سوسائٹی (ہلال احمر) کی طرف سے خدام الاحمدیہ کے ناظمین کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور ان کی پرمسرت زندگی اور تابندہ مستقبل کے لئے دعا گو ہوں۔

محمد رفیق ملک

(ایضاً صفحہ 54,53)

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ نے ماحول ربوہ یعنی چنیوٹ تحصیل میں تو ریلیف کا کام کیا ہی بیرون اضلاع میں بھی رضاکاروں کے دستے بھیجے جیسے کہ اوپر کے اس بیان سے ظاہر ہے جو ریڈ کراس کیمپ نارنگ ضلع شیخوپورہ کے ڈپٹی چیف آرگنائزر نے تحریر فرمایا۔ ایسے ہی کام میں لاہور ضلع میں ربوہ کے خدام کی خدمات کا اعتراف اخبار نوائے وقت لاہور نے اپنی اشاعت مورخہ 21 اکتوبر 1955ء میں یوں شائع کیا۔

"مجلس خدام الاحمدیہ ربوہ نے آج سیلاب زدگان میں ادویات اور پارچات تقسیم کئے اور سلطان پورہ، مصری شاہ، شاد باغ، تاج پورہ، اسلامیہ پارک، راج گڑھ، کرشن نگر اور شاہدرہ لاہور میں اینٹی ملیریا ادویات تقسیم کیں۔ (ایضاً صفحہ 77)

جیسے اوپر لکھا گیا سارے ملک میں مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ کی زیر ہدایت ریلیف کا کام ہو رہا تھا اور جہاں ضرورت ہوتی ربوہ سے بھی ریلیف ٹیم خاص طور پر ڈاکٹرز اور انجینئرز اور معمار بھجوائے جاتے تھے۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ مجلس خدام الاحمدیہ کو خلافت احمدیہ کی برکات کا فیض حاصل تھا چنانچہ اصل تحریک تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے فرمائی تھی جس پر خدام دل و جان سے عمل پیرا تھے۔ جیسے اخبار آفاق لاہور نے اپنی 23 اکتوبر 1955ء کی اشاعت میں یہ رپورٹ شائع کی:

"امام جماعت احمدیہ مرزا بشیر الدین محمود احمد نے اپیل کی ہے کہ ان کی جماعت کے ڈاکٹر سیلاب زدگان کی امداد کے لئے اپنے آپ کو پیش کریں۔ اپیل میں کہا گیا ہے کہ احمدی ڈاکٹر جہاں کہیں بھی ہوں سیلاب زدگان کی طبی امداد کے لئے کم از کم دس روز وقف کریں۔"

یہ ایک بین ثبوت ہے کہ تنظیمی کام اور خدمت خلق کے وسیع پروگرام مرکز کے بغیر خوش اسلوبی سے سرانجام دینے ناممکن ہوتے ہیں۔ مرکز کی آواز کے اثر کی صدائے بازگشت بعض اوقات ایسی جگہوں سے سنائی دیتی ہے جہاں سے عام حالات میں تحسین تو کجا مخالفت کا ہی اظہار ہوتا ہے۔ چنانچہ جہاں دیگر اخبارات و جرائد تو جماعت کی خدمات میں رطب اللسان تھے ہی چٹان کے مدیر آغا شورش کاشمیری صاحب کو بھی اعتراف کرنا پڑا۔ اس نے اپنی اشاعت 17 اکتوبر 1955ء میں لکھا: جماعت احمدیہ نے اپنی ہمت کے مطابق کام میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ اس کا اعتراف نہ کرنا بداخلاقی بددیانتی ہوگی"۔

(بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 18 صفحہ 87)

پاکستان میں عالمگیر جماعت احمدیہ کے مرکز کا قیام خود اپنی مدد اور اپنے ذرائع سے اور وسائل سے ایک نئے شہر ربوہ کی آبادکاری نے جہاں جماعت کو اپنے حقیقی مشن اشاعت دین کو 1947ء میں تقسیم ملک کے وقت ہنگاموں کے بعد از سر نو مستحکم کرنے کی سہولت میسر آئی وہاں خود پاکستان کو بھی جو دنیا کے نقشہ پر ایک نئے ملک کی شکل میں نمودار ہوا تھا کئی لحاظ سے جاں نثار محب وطن منظم شہریوں کی خدمات سے بہرہ ور ہونے کے مواقع میسر آتے رہے اور انشاء اللہ ہمیشہ آتے رہیں گے اور ربوہ مرکز احمدیت پاکستان کے ہر تقاضے کو کماحقہ پورا کرنے میں سرفہرست ہی نظر آئے گا۔

(بقیہ صفحہ 15)

اپنے طاقتور ہمسایہ قبیلے کو لوٹنے دیتا ہے جو عموماً دنبہ کی شکل میں قبول کیا جاتا ہے اور ایک دفعہ جب لوٹے قبول کیا جائے تو پھر لوٹے لینے والے قبیلے پر لوٹے دینے والے قبیلے کی حفاظت کی ذمہ داری لازم ہو جاتی ہے جو ہر قیمت پر پوری کی جاتی ہے۔ یہ رسم آفریدیوں اور اورکزئی قبائل میں موجود ہے۔

ملاتڑ

ملاتڑ کے معنی کمر کس کے ہیں اگر کسی کے پاس قریبی عزیز و اقارب پر مشتمل مسلح افراد کا گروہ ہو تو کہا جاتا ہے کہ اس کے پاس اتنے ملاتڑ ہیں۔

تور

تور کے معنی کالا ہے لیکن اصطلاحی طور پر یہ لفظ سیاہ کاری کے لئے استعمال ہوتا ہے اگر کسی مرد کی وجہ سے کسی عورت کا دامن عصمت داغ دار ہو جائے تو پھر یہ تور کہلاتا ہے۔

تڑ

قبیلے یا گاؤں کے لوگوں کے درمیان ایک خاص مقصد کے لئے عہد نامے کو تڑ کہتے ہیں مثال کے طور پر فصل کی بوائی کے بعد گاؤں کے لوگ یہ عہد کرتے ہیں کہ مال مویشی کو کاشت شدہ کھیتوں میں چرنے نہیں دیا جائے گا اس کے بعد اگر کھیت کے مالک کے ہاتھوں کھیت میں چرنے والے مویشی کو کوئی گزند پہنچے تو مویشی کا عوضانہ طلب نہیں کیا جا سکتا۔

سر کلے

یعنی بچہ 40 دن کا ہو جائے تو اس کے سر کے بال منڈوائے جاتے ہیں جسے سر کلے کہا جاتا ہے۔

کوژدن

کوژدن منگنی کی رسم کو کہا جاتا ہے۔ پرانے زمانے میں کوئی قبائلی نوجوان کسی لڑکی کا دامن زبردستی پھاڑ دیتا تھا تو اسے بھی منگنی قرار دیا جاتا تھا یا جو عورت کسی نوزائیدہ بچی کا دامن سب سے پہلے پھاڑ دیتی تھی اس کا دعویٰ اس بچی پر سب سے پہلے ہوتا تھا اور کسی دوسرے کو یہاں رشتہ مانگنے کا حق نہیں ہوتا تھا۔ یہ رسم اب متروک ہو چکی ہے۔

27 ہزار مربع کلومیٹر رقبے پر پھیلے ہوئے

پاکستان کے قبائلی علاقہ جات۔ عمومی تعارف اور رسم و رواج

وفاق کے زیر انتظام قبائلی علاقے 27 ہزار 220 مربع کلومیٹر رقبے پر پھیلے ہوئے ہیں اور 1998ء کی مردم شماری کے مطابق یہاں کی آبادی 31 لاکھ 76 ہزار 331 نفوس پر مشتمل ہے۔ انگریز دور میں اس علاقے کو علاقہ غیر یا یاغستان کہا جاتا تھا کیونکہ پشتو میں یاغی، باغی کو کہتے ہیں۔ قبائلی علاقہ سات ایجنسیوں اور چھ فرنٹیئر ریجنز پر مشتمل ہے۔ ایجنسیوں میں باجوڑ رقبے کے لحاظ سے سب سے چھوٹی اور جنوبی وزیرستان سب سے بڑی ایجنسی ہے۔ فاٹا کی دوسری ایجنسیوں میں خیبر ایجنسی کا شمار پرانی ایجنسیوں میں ہوتا ہے۔ یہ ایجنسی 1878ء میں وجود میں آئی، کرم ایجنسی 1892ء، شمالی اور جنوبی وزیرستان ایجنسیاں 95-1894ء میں قائم کی گئیں۔ مہمند ایجنسی قیام پاکستان کے بعد 1952ء اور باجوڑ اور اورکزئی ایجنسیاں 1973ء میں وجود میں آئیں۔

انتظامی امور

ایجنسی کا انتظامی سربراہ پولیٹیکل ایجنٹ ہوتا ہے جسے انتظامی امور میں مدد فراہم کرنے کے لئے ایک یا دو اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹس اور چند پولیٹیکل تحصیلدار و نائب تحصیلدار تعینات کئے جاتے ہیں۔ پولیٹیکل ایجنٹ، فرنٹیئر کرائمز ریگولیشنز (ایف سی آر) کے ذریعے انتظامی امور چلاتے ہیں۔ عموماً قبائل کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کرتے اور قبائلی جرگے کی مدد سے امن وامان قائم کرتے ہیں اور معاملات چلاتے ہیں۔ یہاں امن برقرار رکھنے کے لئے خاصہ دار فورس تشکیل دی جاتی ہے اور پیرا ملٹری فورسز یعنی ملیشیا بھی آڑے وقت میں پولیٹیکل انتظامیہ کی معاونت کرتی ہے اس کے برعکس اضلاع سے ملحقہ قبائلی علاقوں کا جو فرنٹیئر ریجنز کہلاتے ہیں کا انتظامی سربراہ پہلے متعلقہ ضلع کا ڈپٹی کمشنر اور اب ڈی سی او ہوتا ہے۔ انتظامی امور میں مدد کے لئے ایک اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ موجود ہوتا ہے۔ انگریزوں نے 1849ء میں صوبہ سرحد پر قبضہ کرنے کے بعد اپنی توپوں کے دہانے قبائلی علاقوں کی طرف موڑ دیئے کہ وہ سمجھتے تھے کہ طاقت کے بل بوتے پر وہ ان کو زیر کرلیں گے۔ بریں بنا انہوں نے 1850ء اور 1908ء کے درمیان 62 فوجی مہمات بھیجیں جن پر زر کثیر خرچ کیا گیا مگر ان کی جب تمام تر فوجی قوت ناکام ہوئی تو انہیں پھر اس جارحانہ پالیسی سے دستبردار ہونا پڑا اور قبائلیوں کے اندرونی معاملات میں مداخلت سے گریز کرتے ہوئے یہاں اپنا تعلق سڑکوں، پلوں، فوجی بیرکوں، قلعوں اور چوکیوں تک محدود رکھا۔ قیام پاکستان کے ساتھ ہی سارا نقشہ تبدیل ہوگیا۔

موجودہ صورتحال اور ترقی

انگریزوں کے دور حکومت میں قبائلی علاقوں کے پہاڑ اور وادیاں حکومت مخالف نعروں سے گونجا کرتی تھیں اور خونریزی کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری تھا لیکن پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد امن و آشتی خوشحالی اور ترقی کا ایک نیا دور شروع ہوا بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے قبائلی علاقے سے تمام فوجیں واپس بلالیں اور پاکستان کی شمال مغربی سرحدات کی ذمہ داری قبائل کو سونپ دی اس کے ساتھ ہی ان علاقوں کی ترقی کے لئے ایک جامع ترقیاتی منصوبہ بنایا گیا جس سے قبائل زندگی کے ہر شعبے میں ترقی کی راہ پر گامزن ہوگئے۔ بعد ازاں فیلڈ مارشل محمد ایوب خان اور ذوالفقار علی بھٹو کے ادوار میں بھی ان علاقوں کی ترقی پر خصوصی توجہ دی گئی جبکہ جنرل پرویز مشرف حکومت کے دور میں ترقی کا یہ دائرہ تمام تر قبائلی علاقوں تک بڑھا دیا گیا اور ان علاقوں کی ہمہ گیر ترقی کے لئے تین ارب روپے سے زائد رقم مختص کی گئی بلکہ تیراہ جیسے ناقابل رسائی علاقے کے لئے خصوصی پیکیج کا اعلان کیا گیا۔ آئین کے آرٹیکل 247 کے تحت قبائلی علاقے صدر مملکت کے دائرہ اختیار میں آتے ہیں جنہوں نے صوبہ سرحد کے گورنر کو اپنے ایجنٹ کے طور پر ان اختیارات کو استعمال کرنے کی اجازت دی ہے تمام قبائلی ایجنسیوں یعنی فاٹا کی افغانستان کے ساتھ دو ہزار دو سو میل لمبی سرحد ہے۔ ان ایجنسیوں کے شمال مغرب میں افغانستان، جنوب میں بلوچستان اور مشرق میں صوبہ سرحد واقع ہے۔ مالاکنڈ کو پہلے 1895ء میں ایجنسی کا درجہ دیا گیا تھا لیکن 75-1974ء میں اسے فاٹا سے الگ کرکے صوبائی حکومت کے زیر انتظام کردیا گیا اور یہ فاٹا کے بجائے پاٹا کہلانے لگا اور اب یہاں پولیٹیکل ایجنٹ کے بجائے ڈی سی او ہوتا ہے جس کا تقرر 28 مارچ 2004ء کو عمل میں لایا گیا۔

ترقیاتی سکیمیں

یہاں سڑکوں کی کل لمبائی 743 کلومیٹر ہے جن میں 384 کلومیٹر پختہ، 359 کلومیٹر بجری سے تعمیر شدہ ہیں۔ دو کالج، 22 ہائی سکول، 51 مڈل سکول اور 338 پرائمری و مسجد سکول قائم کئے گئے ہیں۔ اپنے قبائل کے علاوہ یہاں غلجی قبیلے کی شاخیں دوتانی اور سلیمان خیل بھی رہائش پذیر ہیں۔ درہ گومل اس کا مشہور درہ ہے جبکہ گومل زام ڈیم یہیں تعمیر ہو رہا ہے۔ یہ 1960ء کا منصوبہ ہے تاہم فنڈز کی عدم دستیابی اور حکومتوں کی عدم دلچسپی اور دوسری متعدد وجوہات کی بناء پر اس پر کام تسلسل سے جاری نہ رہ سکا اب موجودہ حکومت نے اس پر دوبارہ زور وشور سے کام شروع کردیا ہے۔

جنگیں اور لڑائیاں

جنوبی وزیرستان میں رہائش پذیر محسود قبائل کا شمار حریت پسندوں میں ہوتا ہے اور انہوں نے ہی انگریزوں سے اپنے سربراہ ملا پاوندہ کے زیر کمان بے شمار جنگیں لڑیں۔ اپریل 1914ء میں انگریز میجر مسٹر ڈوڈ (Dodd) کو دو دوسرے انگریز افسران کے ہمراہ ٹانک میں ان کے محسود اردلی نے قتل کردیا۔ 05-1904ء میں دو انگریز افسروں کو ایک محسود حاضر سروس سپاہی نے جبکہ ایک تیسرے آفیسر کو ایک ریٹائرڈ سپاہی نے قتل کردیا۔ 1922ء میں انگریز افواج نے پہلی بار عبدالحئی جلال خیل اور عبدالرحمن خیل اقوام پر جہازوں سے پہلی بار بمباری کی۔ 1929ء میں انگریزی فوج کے لیفٹیننٹ سٹیفن سن کو یہیں پر محسود قبائل نے قتل کیا۔ 1873ء تک نواب آف ٹانک انگریزوں اور محسود قبائل کے درمیان مڈل مین کے طور پر کام کرتا رہا۔ تاہم بعد ازاں نواب آف ٹانک سے بدظن ہونے کے بعد انگریزوں نے ان قبائل سے براہ راست رابطہ رکھا۔ محسود قبیلے کی تین بڑی شاخیں بہلوزئی، علی زئی اور شمن خیل ہیں۔ 17-1915ء کے درمیان محسود قومی لشکر نے انگریزوں کی سروکی پوسٹ پر حملہ کرکے برٹش کمانڈر دو ہندی فوجی افسروں اور 33 انڈین آرمی کے سپاہی قتل کردیئے۔ 1919ء میں محسود لشکر نے پھر حملہ کیا اس دوران تیسری افغان جنگ چھڑ گئی جس پر انگریزوں نے ملیشیا پوسٹ خالی کردی۔ محسود قبائل نے اس دوران جنڈولہ پر حملہ کیا اور ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں کئی پولیس پوسٹوں پر حملے کئے۔ 22-1921ء میں انگریزوں کی عملداری والے شہر ٹانک پر بھرپور حملہ کیا۔ جواباً 1922ء میں انگریزوں نے عبدالحئی، جلال خیل اور عبدالرحمن خیل پر ہوائی حملہ کیا۔ 25-1924ء میں عبدالرحمن خیل قبیلے نے انگریزوں پر حملے جاری رکھے جس کے جواب میں

معدنیات اور مختلف قبائلی ایجنسیوں کی آبادی و رقبہ

قبائلی علاقہ جات میں اعلیٰ قسم کے سنگ مرمر کے ذخائر موجود ہیں۔ شمالی وزیرستان میں تانبے، اور کرزئی ایجنسی میں کوئلے اور کرم ایجنسی میں سلوپ سٹون اور بعض دیگر معدنیات پائی جاتی ہیں۔ شمالی وزیرستان ایجنسی میں میگانیز، سلفائٹ، چونا اور جنوبی وزیرستان میں تانبا اور سونا پایا جاتا ہے۔

1998ء کی مردم شماری کے مطابق قبائلی علاقوں کی آبادی 31 لاکھ 76 ہزار 331 نفوس پر مشتمل ہے۔ (یہ اعداد بوجوہ قطعی نہیں ہیں اور یہ تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے) بہرحال 1998ء کی مردم شماری کے حوالے سے خیبر ایجنسی جس کا کل رقبہ دو ہزار پانچ سو 76 مربع کلومیٹر ہے کی آبادی پانچ لاکھ 46 ہزار سات سو تیس افراد پر مشتمل ہے۔ باجوڑ ایجنسی جس کا رقبہ 1290 مربع کلومیٹر ہے پانچ لاکھ 95 ہزار 227 نفوس پر مشتمل ہے۔ 3380 مربع کلومیٹر والی کرم ایجنسی کی آبادی 4 لاکھ 48310 ہے۔ مہمند ایجنسی جس کا رقبہ 2296 مربع کلومیٹر ہے یہاں تین لاکھ 34453 لوگ رہتے ہیں۔ اورکزئی ایجنسی جس کا کل رقبہ ایک ہزار پانچ سو اڑتیس مربع کلومیٹر ہے یہاں کی آبادی دو لاکھ 25441 نفوس پر مشتمل ہے اور جنوبی وزیرستان جس کا رقبہ 6620 مربع کلومیٹر ہے یہاں 4 لاکھ 29 ہزار 841 افراد رہائش پذیر ہیں اسی طرح فرنٹیئر ریجنز کے علاقوں ایف آر ٹانک رقبے کے لحاظ سے 1221 مربع کلومیٹر ہے جس کی آبادی 6987 ہے۔ ایف آر بنوں 745 مربع کلومیٹر رقبے پر مشتمل ہے جس کی آبادی 19593 ہے۔ ایف آر ڈیرہ اسماعیل خان 2008 مربع کلومیٹر کا علاقہ ہے جس میں 38990 افراد رہائش رکھتے ہیں۔ اسی طرح ایف آر کوہاٹ کا کل رقبہ 446 مربع کلومیٹر ہے اور یہاں کی آبادی 88456 نفوس پر مشتمل ہے جبکہ ایف آر پشاور کے 53 ہزار 841 افراد 261 مربع کلومیٹر کے علاقے میں رہائش پذیر ہیں۔

جنوبی وزیرستان ایجنسی رقبے کے لحاظ سے سب سے بڑی ایجنسی ہے جہاں محسود، وزیر، گربز اور ارمڑ قبیلے رہائش پذیر ہیں۔ مغرب میں اس کی افغانستان سے 600 کلومیٹر لمبی سرحد ملتی ہے جبکہ جنوب میں اس ایجنسی کی سرحدیں صوبہ بلوچستان کے ضلع ژوب سے ملی ہوئی ہیں۔ لدھا، مکین، سری روغہ، اعظم ورسک، انگور اڈہ اور کانی گرم اس کے اہم مقامات میں شمار ہوتے ہیں۔

انگریزوں نے بھی ہوائی حملے کئے۔ جنوبی وزیرستان کے محسود قبائل نے انگریزوں کے خلاف مسلسل مسلح جدوجہد کی اور 1849ء سے 1947ء تک انگریزوں کے خلاف جنگ جاری رکھی۔

جنوبی وزیرستان میں ملا پاوندہ، شمالی وزیرستان میں فقیر ایپی اور خیبر میں مولانا سید اکبر مسلح قبائلی لشکروں کی قیادت کرتے رہے۔ انڈین کانگریس کے سیاسی کارکنوں کو جو محسود قبائل سے ملنے آ پہنچے تھے ان کے خلاف قبائلیوں کی ذیلی شاخ کے آفریدی قبائلیوں نے محسودوں کے فیصلوں کی خلاف ورزی کی اور ان کے خلاف ٹھہری کی جس پر انگریزوں نے انہیں گرفتار کیا جس پر محسود لشکر نے آفریدی کاؤں کا محاصرہ کر کے 31 مئی 1930ء کو مسمار کیا جواباً انگریزوں نے یہاں بھی ہوائی حملہ کیا۔ جنوبی وزیرستان میں محسودوں کا تحریک آزادی میں بھی نمایاں کردار رہا ہے۔ وزیر قبائل درویش خیل، شمین خیل اور کاکاخیل پر مشتمل تھے۔ انہیں مرزا علی، مدی خیل اور ہاتھی خیل سے تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ مدی خیل وزیر وانا کے قریب رہائش پذیر ہیں۔ ہاتھی خیل سب ڈویژن میں رہتی خیل قبیلے کے لوگ بھی وانا اور شمال کے علاقوں میں رہتے ہیں جبکہ کاکاخیل قبیلہ پیر کے اور ناصرالدین خیل میں قیام پذیر ہیں۔

انگریزوں سے لڑائی

تاریخ بتاتی ہے کہ پہلی افغان جنگ میں انہوں نے ان انگریزی چوکیوں پر حملہ کیا جہاں انگریزی فوج موجود تھی۔ انگریزوں کے ساتھ ان کا پہلا تصادم 1860ء میں ہوا تھا جب محسودوں نے ٹانک پر حملہ کیا تھا بعد ازاں انگریزوں نے اگست 1877ء سے مارچ 1878ء تک مہمات بھیجیں اور ان کی ناکہ بندی کر کے ان کی رسد بند کر دی جس کی وجہ سے محسود قبائل نے تنگ آ کر صلح کی۔ جنوری 1879ء میں وقعہ محسود لشکر نے ٹانک پر حملہ کر کے اسے جلا دیا۔ 1881ء میں دوسری فوجی مہم بھیجی گئی پھر ان کی ناکہ بندی کی گئی۔ بالآخر تنگ آ کر 1890ء میں ان قبائل کا وظیفہ مقرر کیا گیا مقامی لوگ "ماشر" کہتے ہیں مقرر کرنے اور گوں کی سڑک کی حفاظت ان کے ذمہ کر دی گئی۔ یہ انگریزوں کی سیاسی چال تھی اور محسود لشکر بیشتر اس سڑک کو کاٹ دیا کرتے تھے۔ 1893ء میں جب انگریز کئی یونٹ ان کی سرحد کا تعین کر رہے تھے تو محسود قبائل نے ان پر حملہ کیا جس میں کئی انگریز فوجی ہلاک ہو گئے۔

وانا پر انگریزوں کا قبضہ

1894ء میں انگریزوں نے وانا پر قبضہ کیا مگر اس دوران محسودوں نے تین دیگر فوجی افسران کو قتل کر دیا تمام قبائلی علاقوں میں سب سے زیادہ انگریز یا شہری افسروں کو قتل کیا گیا جہاں بھی انگریز فوجی دیکھا جاتا تو قتل کر دیا جاتا محسود قبائل نے انگریزوں سے پہلے مغل بادشاہوں کے دور میں ان کے خلاف بھی اپنی

آزادی و خود مختاری برقرار رکھنے کے لئے جدوجہد کی تھی اور اپنے مشہور سیاسی و مذہبی پیشوا پیر روشان کی قیادت میں جنگیں لڑتے رہے۔ پیر روشان امرتسر میں پیدا ہوئے تھے مگر ان کا تعلق بنیادی طور پر ارمڑ قبیلے سے تھا جو کہ جنوبی وزیرستان کے علاقہ کانی گرم میں واقع ہے۔

قبائلی علاقوں کے مقامی رسم و رواج کے بارے میں بعض معلومات مختصراً ذیل میں درج کی جا رہی ہیں۔

کانڑے یا تیگہ

خون خرابہ بند کرنے کو کہتے ہیں کیونکہ کے تیگہ یا کانڑے رکھو دینا یا ایک رسم ہے جو قبائلیوں میں ہوتی ہے جو ان کے معاشرے کا ایک حصہ ہے۔ یہ ایک قسم کی عارضی فائر بندی ہے جو قوم کے بزرگ عارضی مدت کے لئے مقرر کرتے ہیں تاکہ خون خرابہ نہ ہو۔

ننواتے

اس کے لغوی معنی پناہ مانگنے کے ہیں اس رسم کے تحت ایک شخص کو بھی معاف کیا جاتا ہے جس کے صاحب خانہ و معززین کی دعوت اور ماحول خوشگوار بنایا جاتا ہے تاکہ ننواتے کرنے والے کی صاحب خانہ سے کی وجہ سے بھی قتل کیا جاتا ہے معاف کر دیا جاتا ہے۔ ننواتے سے مخصوص جرم کے ملزم کو اپنے مخالفین سے جو جرمانہ لے کر اپنے سے پناہ ملتی ہے۔ ملزم یا متاثرہ فریق مقتدر زمینی دعوت میں پناہ حاصل کر کے معاف کر دیا جاتا ہے۔

بدل

جس کا پشتو میں مطلب انتقام ہے اور قبائلی شعور سے بدلے کا رواج ہے جس سے ذاتی مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں اس کے تحت کسی شخص کے بدلے میں بدلہ لیا جاتا ہے۔ مقتول کے ورثاء قاتل اپنے

خاندان کی ایک یا دو بالغ لڑکیاں بطور عوضانہ دیتا ہے جس کو پشتو میں (سورہ) کہتے ہیں۔ یہ لڑکیاں مقتول کے خاندان میں بیاہی جاتی ہیں اس طرح صلح ہو جاتی ہے۔ دوسرا طریقہ نقد عوضانہ اور تیسرا درگزر ہے کام لے کر قاتل کی بخشش کرنا ہے۔

میلمستیا

قبائلی معاشرہ میں میلمستیا یعنی مہمان نوازی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ مہمان خواہ ایک ہی ہوں نہ ہوں گاؤں یا قبیلے کے بیشتر افراد اس کے ساتھ ایک ہی دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں "تی پخیر" سے مسنون (اہلاً و سہلاً) کہتے ہیں "پختونوں کی مہمان نوازی قومی اعزاز کا درجہ رکھتی ہے اور ان کی سب سے بڑی توہین یہ ہے کہ ان کے مہمان کو ساتھ لے جایا جائے۔

اعتبار

قبائلیوں کے غیر تحریری قوانین میں اعتبار (اعتماد) کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ یہاں تحریری معاہدوں کا رواج نہیں اور یہ لوگ زبانی طور پر اپنے عہد کی پاسداری کرتے ہیں۔

بوتہ

بوتہ کے لفظی معنی لے جانے کے ہیں یہ قرض یا بقایا جات کی وصولی کا مخصوص طریقہ ہے اگر کوئی قرض خواہ کو مقروض سے اپنی رقم حاصل کرنے میں دشواری پیش آئے تو وہ بوتہ کے ذریعے اس کے کسی رشتہ دار یا مال مویشی کو اس وقت تک یرغمال رکھتا ہے جب تک وہ اس کی ادائیگی نہ کرے یا مخصوص مدت میں اس کی ضمانت نہ دے۔

برآمتہ

اس رسم کے تحت ایک یا کئی افراد کو اس وقت تک بطور یرغمال رکھا جاتا ہے جب تک مقصد حاصل نہ ہو۔ قبائل پر فوج کشی سے مثبت نتائج حاصل نہ ہونے کی صورت میں انگریز اکثر موقعوں پر ان کے خلاف برآمتہ کا حربہ استعمال کرتے تھے۔

بدرگہ

پناہ لینے والے فرد کو محفوظ مقام تک پہنچانے والے مسلح دستے کو بدرگہ کہتے ہیں۔ بدرگہ پر کوئی انتقامی کارروائی کے خوف سے حملہ نہیں کرتا۔

بونگہ یا بیلگہ

مال مسروقہ کو واگزار کرنے کے سلسلے میں دی جانے والی رقم کو بونگہ کہتے ہیں۔ بالفاظ دیگر مال مسروقہ یا اغواء کے عوض طلب شدہ رقم کو بونگہ کہتے ہیں پشتو میں بیلگہ مسروقہ مال کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

پیغور

روایات کے برعکس کسی کو اپنے مقتول بھائی یا والد کا بدلہ نہ لینے یا کسی کو اپنے آبرو اور وقار کے سلسلے میں ناکامی کا طعنہ دینے کو پیغور کہتے ہیں۔

چیغہ

اس رسم کا تعلق دشمن کا تعاقب کرنے والی پارٹی سے ہے۔ پشتو میں چغہ چیخ و پکار یا شور وغل کو کہا جاتا ہے اور یہ مختلف لوگوں پر ترتیب دیا جاتا ہے۔ ڈاکو، چور یا مسلح افراد کسی گاؤں یا قبیلے سے مال مویشی لے جائیں، موت مار کر کے یا کسی کو اغوا کرنے کی نیت سے آئے ہوں تو ان کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے چغہ پارٹی تشکیل دی جاتی ہے۔

ست

دعوت شادی یا دوسری تقریب کے موقع پر افراد کو دعوت دینا ست کہلاتا ہے۔ قبائلی اس کے بغیر دعوتوں میں شرکت کرنا اپنی توہین سمجھتے ہیں۔

لشکر

لشکر عرف عام میں لشکر کہا جاتا ہے مسلح افراد کے اس گروہ کو کہا جاتا ہے جو پرامن مقاصد کی تکمیل کے لئے ترتیب دیا جائے۔ حسب ضرورت لشکر درجنوں یا سینکڑوں افراد پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ لشکر امن و امان قائم کرنے اور جرگوں کے فیصلوں پر عمل درآمد کرانے میں مدد دیتا ہے اور کوئی فریق جرگہ کا فیصلہ تسلیم کرنے کے بعد خلاف ورزی کرے تو اس کے خلاف کارروائی کرتا ہے۔

لوخے

لوخے کے لفظی معنی برتن کے ہیں لیکن اس رسم کی رو سے ایک فرد یا قبیلے کو تحفظ کی ضمانت فراہم کرنا ہوتا ہے۔ قبائلی علاقے میں کمزور قبیلہ اپنی حفاظت کے لئے

(باقی صفحہ 13 پر)

قبائلی ایجنسیوں میں رہائش پذیر قبائل کے نام

باجوڑ ایجنسی میں سالارزئی، مہمند یا ملک اور اتمان خیل قبائل آباد ہیں۔ مہمند ایجنسی میں مہمند، صافی اور شنواری، خیبر ایجنسی میں آفریدی اور اس کی ذیلی شاخیں کوکی خیل، ملک دین خیل، قمبر خیل، ذخہ خیل، سپاہ، اکاخیل، آدم خیل، شنواری، ملاگوری اور شلمانی قبائل آباد ہیں جبکہ اورکزئی ایجنسی میں اورکزئی قبائل کی اٹھارہ شاخیں علی زئی، ستوری خیل، دولت زئی، ابرمزئی، فیروز خیل، اتمان خیل، ماموزئی، شیخان، آخیل، مشتی خیل، بلندی خیل، ممت زئی خیل، مسعود خیل، بار ابراہیم خیل، ماموزئی، علی شیر زئی، علی زئی، انور زئی، عبدالعزیز خیل، بوم خیل، سپائی خیل، پائی گئی۔ واضح رہے کہ ان میں قبائل اور ابراہیم قبائل شیعہ فرقے سے تعلق رکھتے ہیں جبکہ سنی اور علی شیر زئی کی بعض شاخیں کرم ایجنسی میں بھی رہائش پذیر ہیں اسی طرح علی زئی یا ستوری خیل کی مزید شاخیں بنگش، توری، منگل اور توری خیل بھی ہیں۔ اورکزئی قبائل میں بعض دوسرے علاقوں سے بھی پختون آ کر آباد ہو گئے تھے جن کا قبائلی تعلق یوسف زئی اور وزیر قبائل سے تھا مگر اب وہ اورکزئی بن گئے ہیں۔ انہیں ہمسایہ کہا جاتا ہے اور ان میں چار شاخیں بن گئی ہیں جنہیں ملا خیل، کیان، مشتی اور سپاہ کہا جاتا ہے جبکہ کرم ایجنسی میں بنگش، طوری خیل، اور زدران سے قبائل آباد ہیں۔ بنگش کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ وہ عرب ہیں اور سے ہجرت کر کے یہاں آئے ہیں۔ اسی طرح شمالی وزیرستان ایجنسی میں وزیر، داوڑ اور سیدگی قبائل ہیں جبکہ جنوبی وزیرستان ایجنسی میں محسود، وزیر، گربز اور اتمان زئی، سلمان خیل، غلزئی اور بیٹنی قبیلے سکونت پذیر ہیں۔ ایف آر پشاور اور کوہاٹ میں آدم خیل آفریدی، ایف آر بنوں میں وزیر قبائل اور ایف آر ڈی آئی خان میں بٹنی قبائل رہتے ہیں۔